ماہنامہ

حکمت بالغہ

جون2010

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:http://jhanghikmat.co.cc یا

http://hamditabligh.net

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

(آیات 8-12)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ

اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے

اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں (علیہم السلام) کے احکام سے سرکشی کی

فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا O

تو ہم نے ان کا سخت ترین محاسبہ کیا اور ان پر عذاب نازل کیا انوکھا (جو نہ دیکھا تھا نہ سنا)

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا

سو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزا چکھ لیا

وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا O

اور ان کا انجام تھا (مکمل طور پر) مٹ جانا

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا

اللہ نے ان کے لیے (آخرت میں) سخت عذاب تیار کر رکھا ہے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تو اللہ سے ڈرو اے ارباب دانش! جو ایمان لائے ہو

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا O

اللہ نے تمہارے پاس (مجسم) نصیحت بھیجی ہے

رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ

(اپنے) پیغمبر (ﷺ) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح المطالب آیتیں پڑھتے ہیں

لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

تا کہ نکال کر لے آئیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے

اندھیرے سے روشنی میں

وَ مَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو شخص ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا

یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا

(اللہ) ان کو (ایسے) باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں

(جہاں وہ) ہمیشہ رہیں گے

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا O

اللہ نے ان کو خوب رزق دیا ہے

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ

اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ

ان میں (اللہ کے) حکم اترتے رہتے ہیں

لِتَعْلَمُوْا

تا کہ تم لوگ جان لو

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا O

کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے

صدق اللہ العظیم

حرفِ آرزو

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

کا سانحۂ ارتحال اور ان کا مشن

انجینئر مختار فاروقی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال (14 اپریل 10ء) مسلمانانِ پاکستان اور عالم اسلام کے فعال انقلابی سوچ کے حامل افراد کے لئے بہت اہم واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت سے نوازا تھا چنانچہ ان کے ٹی وی پروگرام ہوائے دوش پر سوار دور دراز علاقوں (اور ملکوں) میں بھی بڑی دلچسپی سے دیکھے اور سنے جاتے تھے اور تشنہ لب، جاں بلب، زندہ دل مسلمانوں کے لئے بادِ نسیم کا اثر رکھتے تھے۔ اس لئے کہ آج اسلام 'غریب الغرباء' ہے اور دردمند مسلمان کشتۂ ملائی وسلطانی و پیری کی عملی تفسیر۔ مغرب اس حالت میں بھی اسلام اور مسلمانوں کو کچلنے اور 'ختم' کرنے کے درپے ہے اور صلیبی جنگ عالمی سطح پر ہر محاذ پر جاری ہے۔ پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے خاکوں کا معاملہ اور اب FACE BOOK پر ابلیسی منصوبہ سازوں کی طرف سے ان خاکوں کا مقابلہ جاری کرنے کی کوششیں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور مسلمانوں کی غیرت دینی کا امتحان۔ ایک طرف نہتے مسلمان عوام ہیں اور باغیرت دردمند مسلمان اور دوسری طرف ترقی یافتہ مسلح مغرب اور اس کے آلہ کار مسلمان حکمران۔ بقول اقبال

؎ اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

الیکٹرانک میڈیا ہو یا پرلیس، صحافت ہو یا کتابیں، ہوٹل ہوں یا عوامی قہوہ خانے (اور پان لسّی کی دکانیں)، حکمرانوں کے ایوان ہوں یا عوامی مسائل کے حل کی کھلی کچہریاں، یو این او (UNO) کا

ایجنڈا ہو یا مغربی ممالک کے بجٹ، تعلیمی اداروں میں بچیوں کے لئے سکارف کا مسئلہ ہو یا مصری خاتون کا سکارف لینے پر عدالت میں قتل ــــــــــــ ہر جگہ اور ہر واقعہ کے پیچھے ایک ہی سوال ہے جو کہیں آنکھوں آنکھوں میں اشارے سے ہوتا ہے اور کہیں غصیلی تقریروں کے ذریعے اور کہیں مسلمان ممالک کے 'مغربی غلام' حکمرانوں کو دھمکیوں کے ذریعے ــــــــــــ کہ اس جنگ میں کون جیتے گا؟۔ میں اور آپ یا کوئی اور اس سوال کا کیا جواب دے سکے گا ہمارے پیغمبر ﷺ نے چودہ صدیاں پہلے ہی یہ جواب دے دیا تھا۔ اس جنگ میں اسلام ہی جیتے گا۔

اس عالمی میدانِ کارزار میں جو آوازیں مغربی اور امریکی یعنی ابلیسی منصوبہ سازوں کو ناپسند ہیں وہ اسلام کے احیاء کی آوازیں ہیں، مسلمانوں کو جگانے کی کوششیں ہیں، قرآن مجید کو عام کرنے کے پروگرام ہیں اور رجوع الی القرآن کی دعوت ہے اور اسلام کے غلبے کے لئے آرزوؤں اور امنگوں کو زندہ رکھنے کا نعرہ ہے، اسلام کے غلبے، قیامِ نظام خلافت اور اسلامی انقلاب کی صدائیں ہیں جس نے مغرب کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔

14 اپریل 10ء کے بعد سے مختلف حلقوں کی طرف سے اخبارات کے کالموں اور دینی جرائد کے صفحات میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے انتقال پر جو تبصرے شائع ہوئے ہیں اور علماء دین متین اور زینت منبر و محراب حضرات کی طرف سے سامنے آئے ہیں ان کے ذریعے عام مسلمانوں میں بھی اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی ہے اور ایک خوشگوار حیرت کا سماں ہے کہ آج بھی مسلمان ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفاد اور کسی مشن کی خاطر ہم زبان ہو سکتے ہیں اور یہ ملت اسلامیہ کے مستقبل کے لئے بڑی خوش آئند بات ہے۔

عمومی طور پر سامنے آنے والے بیانات اور تحریروں میں سے ان رسمی سرکاری پیغامات کو چھوڑ کر جو حکمرانوں کی مجبوری اور دورِ حاضر کے NORMS ہیں، سارے تاثرات کو دو سطحوں پر زیرِ گفتگو لایا جا سکتا ہے۔

(1) جدید تعلیم یافتہ حضرات میں ایک طبقہ وہ ہے جو براہ راست ڈاکٹر صاحب کو سنتا رہا ہے اور الیکٹرانک میڈیا پر دروس، مذاکرے، خطابات اور پریس کانفرسوں کے ذریعے جو پیغام وہ عام کر رہے تھے اس کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق سمجھتا ہے۔

(2) دوسرا طبقہ وہ ہے جو زیادہ تر مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہے یہ طبقہ 14 اپریل سے پہلے ڈاکٹر صاحب کو واجبی سا جانتا تھا اور غائبانہ طور پر جانتے ہوئے ان کے بارے میں حسن ظن رکھتا تھا۔ اب پریس میں اور علماء کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے مشن کے بارے میں مزید معلومات ہونے پر اور کسی درجے میں ان کے صحیح نہج پر مساعی کی تعریف کی وجہ سے متاثر ہوا ہے اور ڈاکٹر صاحب کے مشن سے واقفیت حاصل کر کے آگے بڑھنے کے لئے کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کر رہا۔

دینی اعتبار سے سرگرم اور فعال لوگ پہلے ہی کسی نہ کسی مشن، جماعت یا ادارے سے منسلک ہیں ان دونوں طبقات کے وہ حضرات جو ابھی تک غیر فعال ہیں اور عملی طور پر سرگرم نہیں ہیں ان کے لئے مناسب وقت ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور عملی طور پر احیائے اسلام کے کام میں اپنے آپ کو مصروف کر لیں۔

ان دونوں طبقات سے گزارش ہے کہ کسی شخصیت سے حسن ظن اور اظہارِ عقیدت اپنی جگہ مگر اس عقیدت کا اصل حاصل یہ ہونا چاہیے کہ انسان اس شخصیت کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تن من دھن کے ساتھ آگے بڑھنے پر آمادہ ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب جن سے آج ہزاروں لاکھوں لوگ اظہارِ عقیدت کر رہے ہیں ــــــــــ ان کا مشن کیا تھا؟ ان کے پیش نظر کیا تھا؟ ہمارے لئے ان کا پیغام کیا ہے؟ یہ وہ تشنگی ہے جس کے لئے ذیل میں اس مشن کی مختصر وضاحت کی جا رہی ہے تا کہ جو آگے بڑھنا چاہے اس کے لئے راستہ واضح ہو اور منزل نگاہوں کے سامنے۔

ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں جو جذبہ اور مشن رواں دواں تھا وہ حقیقت میں تو ایک ہی ہے ــــ اسلام کا غلبہ ــــ اور ــــ نظام خلافت کا قیام ــــ تاہم اس کو سمجھنے کے لئے اس کی دو سطحیں (LEVELS) ہیں۔

(i) مسلمانوں کی عمومی بے عملی اور دین سے دوری کے علاج کے طور پر ان کا مشن یہ تھا کہ مسلمانوں کو قرآن حکیم کی طرف لوٹنا چاہیے اور اس کا پڑھنا پڑھانا عام کرنا چاہیے اور پڑھے لکھے مسلمانوں کے اندر یہی کرنے کا کام ہے۔ خَیْرُکُمْ مَنْ تعلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَہٗ (الحدیث) میں دور حاضر کے علوم کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھ کر ان علوم میں سے حق و باطل کو الگ الگ

کردکھانا اورحق کوقبول کرکے باطل کورد کردینا آج کے ذہین نوجوانوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے لئے دعوت رجوع الی القرآن کا پلیٹ فارم ہے ملک بھر میں انجمن ہائے خدام القرآن ہیں،قرآن اکیڈمیاں ہیں،قرآن فہمی کے شارٹ اورلانگ کورسز ہیں۔مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ جوایمان ویقین کی دولت سے بھی مالا مال ہوں اورمغربی علوم میں اچھے برے کوالگ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں وہ آگے بڑھیں اوراس کام کوسرانجام دیں۔اس مشن کے لئے نوجوانوں کی تربیت اوررہنمائی کے لئے بھی اس سطح پرکام ہورہا ہےاورابھی میدان بہت وسیع ہےمزید بہت زیادہ کام کی ضرورت ہےاور ہزاروں باصلاحیت اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بھی جودنیا اورمعاش کوثانوی حیثیت دے کراورخدمت قرآن کے جذبے سے سرشار ہوکر اخروی کامیابی کے لئے اسلام کومقتدرطبقات اوراعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات تک پہنچانے کےکام کواپنی زندگی کاواحدمشن قراردےسکیں۔

(ii) دین لیےمساعی کا دوسراوراعلیٰ درجہ (LEVEL) یہ ہے کہ عوامی سطح پرتجدیدایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہواورقرآن مجید کے پڑھنےاور پڑھانے کی بنیاد پرلوگوں کوجمع کرکے ایک انقلابی جماعت تیارکی جائے جس میں شامل لوگ پہلے اپنی زندگیوں میں اسلام پرکاربندہوں پھر عملی زندگی میں دوسروں کے لئے اپنے اپنے ماحول میں نمونہ بن کرایک مثالی مسلمان کی زندگی بسر کرنے پرآمادہ ہوں اوراس کے لئے جان بھی دینی پڑےتو جان دےکربھی ایمان بچانے کی آرزورکھتے ہوں اور پھراسلام کے نظام خلافت کے قیام اور غلبے کے لئے اجتماعی کوششوں میں شریک ہوں اورایک ایسی جماعت میں جووقتی سیاست اور مذہبی مناقشات سے بلندتر رہ کرکام کررہی ہو بیعت کے ذریعے شامل ہوکراسلام کی سربلندی کے لئے ہجرت وجہاد کے لئے تیار ہوں اوردورحاضر میں پہلے جہاد بالقلب اور جہاد باللسان کے ذریعےحکمرانوں کوان کی دین سے دوری کااحساس دلائیں اورعوام کوبھی۔اورخود بہرصورت دین پرعامل رہیں حتیٰ کہ موقع ہوتو آج کے معروف طریقہ کار’پرامن مزاحمتی تحریک‘(لانگ مارچ وغیرہ) کے ذریعے اسلام کےنفاذ کے مطالبات پیش کریں اوراگرمسلمان حکمران اسلام کی طرف پلٹ آنے کی بجائے اپنے ذاتی مفاد اورغیرملکی آقاؤں کوہی خوش کرنے پرمصرہوں تو’جہاد بالید‘ کا موقع ممکن بھی ہوگااورسامنے بھی۔

یہ جماعت خارجی حالات اور اپنی داخلی تیاری کے مطابق غور کر کے اگلے مراحل کا فیصلہ کریں گے۔

ڈاکٹر صاحب کے مشن سے حسن عقیدت اور حسن ظن رکھنے والے حضرات جنہوں نے مختلف انداز میں اس کا اظہار بھی کیا ہے یا ابھی دل میں چھپائے ہوئے ہیں ان سے دست بستہ درخواست ہے کہ وہ مزید انتظار کیے بغیر نفاذ نظام خلافت کے مشن کے لئے آگے بڑھیں یا وقتی طور پر کوئی رکاوٹ اور مصلحت درپیش ہے تو دعوت رجوع الی القرآن کے میدان میں ہمارا ساتھ دیں تا کہ ملت اسلامیہ کی کشتی جو طوفانوں میں گھری ہے اور آج بظاہر اغیار کے رحم وکرم پر ہے اس کو ساحل مراد تک پہنچایا جا سکے اور اسلام کے عالمی غلبے اور پوری دنیا میں آج کے ظلم، ناانصافی، لوٹ کھسوٹ، بے حیائی، نفسانفسی اور حیوانیت کے دور نامسعود کی جگہ عدل اجتماعی، انصاف، کفالت عامہ، عفت وعصمت، پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ کا ماحول لایا جا سکے اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں کرۂ ارضی کو عدل وانصاف سے بھر دیا جائے۔ آیئے! ہمت کریں آگے بڑھیں اور اس اسلامی مشن کی تکمیل کے لئے سب کچھ لے کر حاضر ہو جائیں۔ کیا عجب کہ ہماری یہ تحریک امت مسلمہ میں بیداری کا ذریعہ بن جائے اور مسلمانوں پر اغیار کی طرف سے مسلط کردہ مصائب وآلام کے بادل چھٹ جائیں اور نوع انسانی سکون سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق پُرسکون زندگی بسر کر سکے۔ و ماذالك على الله بعزيز

ماہ مئی کے اوائل میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ، دینی تحریکات کے سرپرست، خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب بعمر 90 سال اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ہم ادارہ کی طرف سے ان کے صاحبزادگان، جانشین صاحبزادہ مولانا خلیل احمد مدظلہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اکابرین ومتعلقین سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ.....مرحوم کی مساعی کو شرف قبولیت بخشے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور اعلیٰ مقامات سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق بخشے کہ تحفظ ختم نبوت کے لئے پہلے سے بڑھ کر کوشش جاری رکھ سکیں آمین۔

قرآن کریم اور ضمیر بیدار

حافظ احمد یار رحمہ اللہ
شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

یہ تحریر حافظ ذوالفقار احمد صاحب نے بہاولپور سے ارسال کی ہے اور رسالہ حکمت قرآن لاہور (جلد نمبر 1، مئی، جون 82ء) میں شائع ہو چکی ہے تاہم اپنے نفس مضمون میں آج بھی تازہ ہے اس لئے اِسے قارئین حکمت بالغہ کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

حمد و صلوٰۃ کے بعد.....اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظ

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جن باطنی قوتوں سے نوازا ہے ان میں سے دل و دماغ یا عقل و ضمیر دو نہایت اہم قوتیں ہیں؛ جس طرح بیرونی حواس کا فقدان یا ان کی صحت و سقم انسان کی مادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی ان اندرونی طاقتوں کی صحت و قوت یا ان کا فساد و ضعف اس کی اخلاقی و روحانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور بالآخر اس کی اُخروی زندگی میں سعادت و شقاوت اور فلاح یا خسارہ کا باعث بنتا ہے۔

ہمارا آج کا موضوع لفظ 'ضمیر' اگرچہ عربی زبان ہی کا لفظ ہے جو انسان کی باطنی و قلبی کیفیت اور داخلی شعور کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا، اردو اور عربی میں اب یہ لفظ 'ضمیر' عام طور پر انگریزی لفظ CONSCIENCE کے لئے استعمال ہونے لگا ہے جو انسان کی ایک اہم باطنی کیفیت یا قلبی استعداد FACULTY OF MIND ..... بلکہ HIGHEST FACULTY OF MIND کے طور پر فلسفہ و نفسیات والوں کا ایک خاص موضوع ہے۔ عموماً اسے ایک ایسی اندرونی استعداد یا قوت سمجھا جاتا ہے جو بصورت صحت خود انسانی حواس و احساسات اور ہیجانات کے زیر اثر رونما ہونے والی کمزوریوں پر

قابو پانے کی صلاحیت رکھتی ہے جنہیں اصطلاحاً TEMPTATION کہا جاتا ہے۔نفسیات والوں کے نزدیک ہر دو (یعنی) CONSCIENCE اور TEMPTATION انسان کی شعوری خواہشات اور غیر شعوری محرکات کے درمیان ایک کشمکش کے دو مظاہر ہیں۔مسیحی عقائد کے مطابق ضمیر کو

"VOICE OF God WRTHIR HUMAN SOUL"

کہا گیا ہے۔ایک حدیث شریف میں بیان کردہ ایک مثال میں بھی ''واعظ اللّٰہ فی قلب کل مؤمن'' کہہ کر اسی باطنی قوت یعنی ضمیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کے اندر اخلاقی بصیرت کی ایک جبلّی استعداد بھی رکھی گئی ہے۔-عملی انحراف وفساد کے باوجود اور گمراہی کی استثنائی کیفیات کے سوا-انسان کے اندر نیکی یا فضیلت کے بارے میں ایک اعتراف یا محبت اور برائی یا رذیلت کے بارے میں نفرت پائی جاتی ہے۔دوسروں کو برا کام کرتے دیکھ کر اسے دکھ ہوتا ہے اور وہ خود بھی اپنے ذاتی اخلاقی عیوب کو ناپسند کرتا ہے اور اگر کسی ایسی چیز کا مرتکب ہوتا ہے تو یا تو اسے چھپاتا ہے یا اس پر اسے سخت ندامت ہوتی ہے یا پھر عقل کی مدد سے اس کے لئے جواز تلاش کرتا ہے (بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہ) کوئی آدمی اپنے آپ کو جھوٹا خائن اور دغاباز کہلانا آخر کیوں پسند نہیں کرتا۔

قرآن کریم بالعموم اپنے اخلاقی نظام کی بنیاد خیر وشر اور عدل وظلم کے درمیان تمیز کر سکنے والے اسی عام انسانی شعور پر رکھتا ہے اور عملی ہدایات دیتے وقت ان (قدروں) کے فہم کے بارے میں انسان کی اسی باطنی حس پر اعتماد کرتا ہے۔معروف، منکر، عدل، احسان، فحشاء، امانت اور خیانت وغیرہ کی شرعی وضاحت کے ساتھ ساتھ قرآن کریم میں چالیس سے زیادہ مقامات پر خیر وشر کی تمیز کے بارے میں انسان کے اس اخلاقی ضمیر اور اسی اندرونی حس پر زور دیا گیا ہے اور یہی وہ حس یا ضمیر ہے جو انسان کے قلب ودماغ اور اعضاء وجوارح کے اعمال میں ہم آہنگی نہ پائے جانے پر ٹھیک اسی طرح مضطرب ہوتا ہے جس طرح انسانی اعصاب کسی جسمانی اذیت سے متاثر ہوتے ہیں۔

.....قرآن کریم میں اس انسانی استعداد کا ذکر مختلف ناموں سے کیا گیا ہے۔ غالباً سب سے نمایاں بیان اس کا "نفس لوّامة" کے نام سے کیا گیا سورۃ القیامۃ میں اسی نفس لوّامہ یا انسان کے اخلاقی ضمیر کو زندگی بعد از موت کی شہادت اور دلیل صداقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مفسرین نے قیامت اور نفس لوامہ میں مناسبت اور باہمی تعلق پر بعض عمدہ نکات اور نفس لوّامہ کے معنی مراد کے بارے میں جو مختلف اقوال بیان کیے ہیں ان میں اکثر نے اسے ضمیر انسانی کے ہم معنی بھی قرار دیا ہے۔

مثلاً: رازی نے ایک معنی النفس الشريفة التي لا تزال تلوم نفسها کیا ہے۔ طبری نے ایک مفہوم النفس المؤمنة التي تلوم نفسها في الدنيا و تحاسبها بیان کیا ہے۔ روح المعانی میں ایک قول یوں بھی بیان ہوا ہے: هي التي تنورت بنور القلب فكلما صدر عنها سيئة بحكم جبلتها الظلمانية اخذت تلوم نفسها و نفرت عنها

.....لوّامة (بار بار ندامت دلانے والا) کے صیغۂ مبالغہ میں جو ایک اعادہ و تکرار کا مفہوم ہے وہ بھی اسی دنیا میں ضمیر کا عمل مراد لیے جانے پر ایک مزید دلیل ہے۔

.....بعض مفسرین نے "اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ" کی تفسیر میں اس "حافظ" کے معانی میں انسان کی اس باطنی استعداد اور تمیز خیر و شر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ (رُوح المعانی)

ایک مؤلف نے ابن درید کی کتاب الاشتقاق کے حوالے سے 'مسلم' کے معنی میں یہ بات لکھی ہے کہ "اشتقاق المسلم من قولهم اسلمت لِلّٰهِ اى سلم له ضميرى اى خلص" ہے۔ ابن درید کی اس تعریف میں اسلام اور ضمیر کے تعلق کے اس ذکر سے یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ خود ضمیر حق و باطل کا معیار ہرگز نہیں تاہم اسے حق و باطل کا جو معیار دے دیا جائے تو پھر وہ انسان کے ظاہر و باطن میں اس معیار کے تضاد پر مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے اور انسان کو ایسے رویہ پر ٹوکتا ہے۔

یہ نفس لوّامہ یا ضمیر حافظ یا اخلاقی بصیرت ایک زبردست قوت ہے مگر اس کی مثال کمپیوٹر کی سی ہے جو مطلوبہ جواب فوراً دیتا ہے مگر FEEDED DATA کے مطابق۔ نیکی و بدی کا جو تصور ضمیر کو FEED کر دیا جائے تو وہ اس کے مطابق بوقت ضرورت آناً فاناً نیکی یا بدی کے

بارے میں سگنل دے گا۔

ضمیر کے اندر نیکی بدی کا یہ تصور یا مواد(DATA) مختلف ذرائع سے بہم پہنچایا جاتا ہے۔جس کا سب سے اعلیٰ اور درست ذریعہ تعلیماتِ رسالت ہیں۔حواس ظاہری کی طرح انسان کی یہ باطنی قوت 'ضمیر' بھی اپنی قوت وفعالیت میں یکساں نہیں رہتی کہ انسان کے کردار کو ہمیشہ اپنا پابند بنا سکے۔اس لئے اس کے ساتھ ہی اس استعداد کی تقویت یا تربیت کے لئے ایک دوسری انسانی قوت یعنی عقل ودانش اور خصوصاً اجتماعی عقل انسانی..... بلکہ ہر دور کے اہل صلاح وصالحین کی تائید حاصل کرنے والے اصول واحکام سے مدد لینا بھی ضروری ہے۔

.....شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کتب سماویہ اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔.....اس طرح قرآن اور اسلام کے حوالہ سے بات کرتے ہوئے اس وقت ہمارا اصل موضوع مطلقاً (ضمیر) نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں پروردہ وتربیت یافتہ ضمیر ہے جسے ہم دینی ضمیر کہہ سکتے ہیں۔تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد اسی دینی ضمیر کی تربیت یا ضمیر کی دینی تربیت تھا کیونکہ تزکیۂ نفوس کی اصل اور مضبوط اساس یہی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی دینی ضمیر کی تربیت ضروری ہے۔ جس طرح انسانی حواس بیماری،ضعف یا فقدان کا شکار ہو سکتے ہیں اسی طرح انسان کی یہ اندرونی قیمتی استعداد 'ضمیر' بھی اس قسم کی آفات کی زد میں آسکتی ہے۔اس لئے قرآن کریم نے اس باطنی حس کو زندہ استوار اور فعال وبیدار رکھنے پر نہ صرف زور دیا ہے بلکہ اس کے لئے عملی تدابیر بھی بیان کی ہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کے اندر محض خارجی ذرائع سے کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی جب تک خود اس کے اندر تبدیلی نہ پیدا ہو یہ بات افراد واقوام سب پر صادق آتی ہے۔اسی لئے قرآن کریم نے انسان کی ان اندرونی قوتوں یعنی لُبّ وعقل وضمیر کو مخاطب کیا ہے اور اپنی اس فطری استعداد سے مطلقاً کام نہ لینے والوں کو "کالانعام بل ھم اضل" کہا ہے۔

ضمیر کو حق شناس بنانے،اسے بیدار رکھنے اور اس کی تقویت اور صحیح تربیت کے لئے قرآن کریم نے حسب ذیل اقدامات وتدابیر کا ذکر کیا ہے:

☆ سب سے پہلی چیز ایمان باللہ ہے۔کسی فلسفی کا قول ہے کہ عقیدہ (یا ایمان) کے بغیر

ضمیر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عدالت بغیر جج کے ہو.....

ایمان باللہ کے بغیر قلب ایک بنجر زمین ہے لیکن جب ایمان اعماقِ قلب تک پہنچتا ہے تو ضمیر کا پودا اس میں برگ و بار لانا شروع کر دیتا ہے اور بقول باہوؒ قلب مؤمن کے پودے کی خوشبو انسان کے باطن سے نکل کر اس کے ظاہر یعنی اس کے اعمال میں سرایت کرنا چاہتی ہے۔ یہ اس کا فطری تقاضا ہے۔

☆ ذکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی بار بار یاد اس کا اعادہ اور تکرار دینی ضمیر کی تربیت کے لئے دوسرا اہم اقدام ہے، اسلامی عبادات اسی لئے دینی ضمیر بلکہ اجتماعی دینی ضمیر کو زندہ و بیدار رکھنے کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہیں اور شاید اسی لئے تمام اسلامی عبادات کو ایک اجتماعی رنگ دیا گیا ہے۔

انفرادی سطح پر بھی عبادات انسان کے لئے اخلاقی و دینی ضمیر کی بیداری کا باعث بنتی ہیں۔ کیونکہ ہر عبادت سِرًّا و علانیۃً رب کے ساتھ ربط و تعلق کا باعث بنتی ہے اور ظاہر و باطن و سراً و علانیۃً یکسانیت ہی سے ضمیر مطمئن ہو سکتا ہے۔ حواس کی لذتوں کی طرح ضمیر یا باطن کی لذت کا سامان اس یک رنگی میں پوشیدہ ہے۔

☆ توبہ اور رجوع الی اللہ.....ضمیر انسانی کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لئے ایک نہایت موثر ذریعہ بھی ہے اور بیداری ضمیر کی علامت بھی ہے۔ جب ضمیر کی آواز کسی جہالت کے باعث نظر انداز کر کے انسان کوئی برا کام کر بیٹھتا ہے تو قرآن کریم کے حکم کے مطابق ایسے آدمی نے گویا اپنے ضمیر کو سخت خطرے میں ڈال دیا ہے، اسے فوراً اپنے ضمیر کو موت سے بچانا چاہیے۔ جس طرح کسی گرے ہوئے مکان کے ملبہ کے اندر سے فوری کاروائی کے ذریعے کسی کی جان بچائی جا سکنے کے امکانات ہوتے ہیں اسی طرح گناہ کے اس ملبے سے ضمیر کو نجات دلانے کے لئے ''یتوبون من قریب'' پر عمل کرنا ضروری ہے۔

توبہ اور اصلاح و استغفار کے سلسلے میں قرآن کریم کے تمام احکام کا مقصد انسان کی اس باطنی استعداد کو فنا سے بچانا اور اسے برقرار رکھنا ہے۔

قرآن کریم میں توابین کا صیغہ مبالغہ ایک سے زیادہ جگہ آیا ہے جس میں تکرار کا مفہوم

موجود ہے۔قرآن کریم میں ہی دوسری جگہ صفات مومنین میں "وَ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا" کا ذکر بھی آیا ہے۔ایک حدیث شریف میں

لم یصرر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرة

توبہ واستغفار کا یہ عمل پیہم انسان کو اس عدمِ اصرار کی منزل تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ضمیر بیدار کی اصل اہمیت گناہ سے بچانے میں نہیں بلکہ گناہ پر پچھتانے اور ندامت آشنا کرانے میں ہے۔اصل توبہ ندامت ہی کا نام ہے "انما التوبة الندم" ۔ اور ضمیر کی یہ ندامت کوئی معمولی شئے نہیں یہ تو اجرائے حد سے بھی سخت تر شئے ہے۔

☆ دینی ضمیر اور خصوصاً اجتماعی دینی ضمیر کو زندہ و بیدار رکھنے کے لئے ہی قرآن کریم نے ایک نظام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر زور دیا ہے۔

امر بالمعروف رتواصی بالحق والصبر ......اگر ضمیر دینی کے لئے باعث نشاط وقوت ہیں تو نہی عن المنکر دینی ضمیر خصوصاً اجتماعی دینی ضمیر کو موت و ہلاکت سے بچانے کے لئے ناگزیر ہے۔ قوموں اور ملتوں کی حیات اجتماعیہ میں منکرات وبا کی طرح پھیلتے ہیں اور اگر فوری تدارک اور مسلسل نگرانی نہ کی جائے تو اجتماعی ضمیر کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کا واقعہ قرآن و حدیث میں اس کی واضح مثال کے طور پر بیان ہوا ہے: ''کَانُوۡا لَایَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُنۡکَرٍ فَعَلُوۡہ '' کے باعث ہی وہ لعنت کے مستحق ٹھہرے تھے۔اسلامی حکومت کے چار اہم اور بنیادی فرائض میں آخری ''نہی عن المنکر '' ہے [اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰهُمۡ.............عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ (الحج: 41)] پہلے تینوں امور (صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف) اگر ضمیر کی غذا ہیں تو وجودِ منکر ضمیر کے لئے سمِ قاتل ہے۔نہی عن المنکر سے غفلت پہلے تین امور کے مثبت اثرات پر پانی پھیر دینے والی بات ہے۔کیا کیا آپ کسی کو طاقت ور اور مفید غذائیں کھلانے کے ساتھ تھوڑا سا زہر کھلا دینے کو معمولی بات سمجھ سکتے ہیں؟۔نماز، روزہ، زکوۃ کا اہتمام کرنے والے اگر صواحب یوسف کے ساتھ سمجھوتے بھی کرتے پھریں تو ع ''ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!'' منکرات کو مٹانے کے اس امتحان میں عوام کے لئے تو چلئے اضعف الایمان کا گریڈ حاصل کرنے کا امکان موجود ہے......مگر 'لمبے ہاتھوں والے' اور 'لمبی زبانوں والے' اصحابِ ابلاغ کے ایمان و ضمیر کے متعلق کیا رائے قائم کی جا

سکتی ہے؟۔

☆ ضمیر بیدار کی رعایت کے حق میں قرآن کریم کا یہ حکم بھی قابل ذکر ہے کہ بیدار اور زندہ ضمیر والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ مردہ ضمیر والے بڑے صاحبوں پر اپنی توجہات مرکوز کرنے کی بجائے باضمیر عوام کو تلاش کیجیے.....'عَبَسَ وَ تَوَلّٰی' کے واقعہ نزول میں کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

☆ جب ایمان، ذکر اللہ، تقویٰ اور خشیت اللہ کے ذریعے ضمیر کی تربیت وتقویت کی جائے تو وہ اس درجہ بیدار اور اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ اس مرحلہ پر ضمیر کا فتویٰ فقہاء کے فتووں پر قابل ترجیح ہو جاتا ہے۔ تقویٰ کے ذریعے درجۂ عرفان تک پہنچ جانے پر ہی "استفت قلبك" کا اطلاق ہوتا ہے۔.....''البر ما اطمأنت اليه النفس و اطمأن اليه القلب و الاثم ماحاك فی النفس و تردد فی الصدر ''اسی درجے کے لئے کہا گیا ہے۔

دینی ضمیر کی نیند یا موت کی سب سے زیادہ خطرناک صورت علماء اور رجال دین کے ضمیروں کا سو جانا یا مر جانا ہے۔ قرآن کریم میں یہود کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (المائدة۔63)

ایسے بے ضمیر علماء سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے آدمی کے لئے اپنے دینی ضمیر سے کام لینا شاید زیادہ بہتر ہے.....معری نے اسی لئے کہا تھا: ؎

و العصا للضرير خيرٌ من القا.....ئد فيه الفجور و العصيان

قرآن کریم نے اپنے بعض احکام میں صورت امتثال یا کیفیت تعمیل کا فیصلہ خود ضمیر بیدار پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال "قُلِ الْعَفْوَ" میں اس "العفو" کا تعین ہے۔ ضرورت سے زائد کے اس تعین میں ہی آدمی کے ایمان وضمیر کا سب سے بڑا امتحان ہے.....رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی جو عملی مثال قائم کی وہ تاریخ عالم میں اپنی نظیر آپ ہے کہ حکمران ہوتے ہوئے خوراک، لباس اور مکان کے لحاظ سے اپنا معیار زندگی اس سے اونچا نہیں ہونے دیا جو وہ اپنی رعیت کے افراد کو کم از کم

مہیا کر سکتے تھے۔

قرآن کریم کی آیت "اِقۡرَأۡ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا" سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میزانِ ضمیر ہی میزانِ آخرت ہوگی.....ضمیر بیدار کو اسی دنیا میں محاسب اعمال بنانا ہی حسابِ آخرت کی سب سے بڑی اور عمدہ تیاری ہے۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "وَ نَهَی النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰی" اگر ضمیر کی بیداری کا ثبوت ہے اور "ایثار الحیٰوۃ الدنیا" اگر ضمیر کی قطعی موت کا ثبوت نہ بھی ہو تو بھی خیریت کی علامت ضرور نہیں ہے اور ضمیر کی موت ہی دلوں پر لگنے والی وہ خدائی مہر ہے جس کے بعد انسان کے اندر سے کسی تبدیلی کے امکانات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ا عا ذ نا اللّٰہ من ھذا

خواتین اسلام کے لئے

چہرے کا پردہ

انجینئر مختار فاروقی

(گزشتہ ماہ حکمت بالغہ مئی 10ء میں 'چہرے کا پردہ' کتاب پر تبصرہ شائع ہوا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ خواتین اسلام کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں چہرے کے پردے کے احکام برحق ہیں تاہم اسلام کے مجموعی اجتماعی احکام کے پس منظر میں ہی 'چہرے کا پردہ' کے احکام کی اہمیت اور حکمت سمجھ میں آسکتی ہے۔ کتاب مذکورہ میں اس گوشہ پر تشنگی رہ گئی ہے۔ موضوع کی اہمیت اور احقاق حق کی خاطر اس اہم گوشہ پر ان سطور میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سینوں کو اسلام کے لئے کھول دے اور ہمارے دلوں کو اپنے احکام کی حکمتوں سے بھر دے تاکہ ہمارے دل ان پر مطمئن رہیں ہم ان احکام پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کے لئے نمونہ بن کر شہادت حق کا فریضہ سرانجام دیں اور موقع ملے تو ان کو دنیا میں قائم و نافذ بھی کر دیں۔ آمین)

اسلام کی آفاقی اور ہمہ گیر تعلیمات

اسلام ایک مکمل دین ہے اور اس کی تعلیمات زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہیں اور ان تعلیمات پر عمل کرنے سے انسانی زندگی کے نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی گوشے بھی حیات دنیا کے پرسکون لمحات میں بدل جاتے ہیں بلکہ حیات اُخروی کا ابدی سکون بھی میسر آتا ہے انسان کے باطنی جذبات و احساسات کو تسکین ملتی ہے۔ انسان کے اندر ودیعت شدہ نیکی بدی کی تمیز رو بہ عمل رہتی ہے۔ مزید برآں فطرت انسانی میں موجود ایک کامل ترین ہستی (جو اس کائنات کی خالق

و مالک ہی ہوسکتی ہے) کی محبت کا جذبہ بھی صحیح سمت میں پروان چڑھنے اور آگے بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ ''ماعبدناك حق عبادتك ''اور''ماعرفناك حق معرفتك '' کی صدائیں بندے کو اپنے خالق و مالک ورب کے اور قریب کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی برکات

اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا انسان کو صرف احکام کے ایک مضبوط (انفرادی اور اجتماعی زندگی پر محیط) شکنجے میں کسنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ چونکہ ان سارے احکام کی تفاصیل فطرت انسانی کے عین مطابق ہوتی ہیں لہٰذا ــــــــــــــ اسلام پر عمل کرنے سے انسان کے فطری داعیات تسکین پاتے ہیں، روحانی تقاضے پورے ہوتے ہیں غیر مرئی اور بعض بے گفتنی قلبی کیفیات کے فروغ سے انسان کے جذبات میں ٹھہراؤ، سوچ میں توازن، عمل میں خوبصورتی اور باہمی انسانی رویوں میں محاسبہ اُخروی کے احساس کے تحت ایک 'میزان' کے نصب ہونے کا احساس پھلتا اور پھولتا نظر آتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی حتمیت

'تعلیمات اسلام' کسی انسان کا مرتب کردہ ضابطہ اخلاق نہیں ہے اور نہ UNO کے چارٹر کی طرح کی کوئی تحریر جس کی مقتدر طاقتیں جو چاہیں تشریح کردیں..... بلکہ رب کائنات کی تعلیمات اور اس کے برگزیدہ بندوں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا حاصل ہے جس پر یقین و ایمان سے بات شروع ہوتی ہے۔ تعلیمات پر خلوص دل سے عمل درآمد سے اس میں 'حسن' پیدا ہوتا ہے اور جہد مسلسل اور انسانی مروت ومحبت کے جذبے کے تحت اسی کے پھیلاؤ اور غلبے کے لئے ہر دم کوشاں رہنے سے، دوسرے باطل نظام ہائے زندگی کے برعکس باطنی سکون اور ذہنی اطمینان میسر آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کی دعائیں، اُمنگیں، خواہشات بدل جاتی ہیں اور زندگی کے ہر گوشے میں اس کی صلاحیتیں مرجھاتی نہیں ہیں۔ زندگی میں یاسیت اور خودکشی کے رجحانات نہیں ہوتے بلکہ اس کے احساسات، میلانات اور صلاحیتیں جلا پاکر ترقی کررہی ہوتی ہیں اور رب کائنات کی محبت (آدرش کی محبت) اعلیٰ ترین درجات کی طرف محوسفر ہوتی ہیں اور ایسے ہی طالبان صادقان "وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ" کا مصداق بن جاتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں خاندان کی اہمیت

تاریخ انسانی میں تمدن کی تشریح کرتے ہوئے مرد اور عورت کو گاڑی کے دو پہیوں سے تشبیہ دی گئی ہے گویا دونوں ہی اپنی جگہ ضروری اور اہم ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں بھی ان کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور ان دونوں اکائیوں کو اپنے اپنے محل ومقام پر رکھتے ہوئے ان کا دائرہ کار متعین کیا گیا ہے اور ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں۔

تعلیمات اسلامی کا آسمانی ہونا اپنی جگہ، تاریخ کی انمٹ گواہی بھی موجود ہے کہ ان تعلیمات پر عمل درآمد کرنے سے اسلام کے قرنِ اوّل میں ایسا پاکیزہ معاشرہ قائم ہوا جس کے اثرات آج بھی مسلم معاشروں پر قائم ہیں اور عالمی سطح پر صرف مسلمانوں میں ہی فیملی سسٹم قائم (INTACT) ہے مردوں کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ عورتوں کے تحفظ کا ضامن بھی بنایا گیا ہے۔ اس میں بعض جگہ بے عمل اور تہذیب جدید کے دلدادہ لوگوں کی آزادی کی وجہ سے ظلم، ناانصافی، ناروا سلوک کے مظاہر بھی نظر آتے ہیں تاہم یہ مظاہر اسلام کے مکمل نظام کے عدم نفاذ اور نظام خلافت (کفالت عامہ کا نظام) کی عرصے سے غیر موجودگی کے سبب فروغ پذیر ہیں۔ ضرورت اسی بات کی ہے کہ اسلام کی حقیقی برکات سے استفادے کے لئے اسلام کے کفالت کے نظام سمیت نظام خلافت کو من وعن دوبارہ نافذ کر دیا جائے تاکہ دنیا اسلام کی برکات کا بچشم سر مشاہدہ کرتے ہوئے اسلام کے دامن رحمت میں آسکے۔

بحث وتنقید کا حاصل

اسلامی تعلیمات واحکام پر گفتگو کرتے ہوئے بات پوری زندگی کے معاملات سے کسی خاص شعبہ زندگی (جیسے سماجی شعبہ، اقتصادی شعبہ وغیرہ) کی طرف آتی ہے اور موضوع کی مناسبت اور گردوپیش کے حالات اور پس منظر کی وجہ سے بھی اس شعبہ کی تفاصیل زیر بحث آتی ہیں اور پھر بات تفاصیل سے جزئیات کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس طرح کی گفتگو سے اختلاف کرنے والے اور تنقید وجرح میں قلم اُٹھانے والے بھی بحث میں جا کر مثالوں کے ذریعے اپنے موقف کو واضح کرتے کرتے آخری درجے کی جزئیات پر آجاتے ہیں اور بالعموم بحث وتمحیص کا اصل میدان نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور شدت پسندی کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔ سماجی شعبہ پر بحث وگفتگو

کے ضمن میں بات مرد وعورت کی مساوات، ذمہ داریاں، دائرہ کار، باہمی اختلاط کے ضوابط، تعلیم، پردہ، گھر، چادر اور چاردیواری سے سمٹ کر اب چہرہ کے پردہ تک پہنچتی ہے۔ اُصولوں اور مبادیات پر اتفاق کے باوجود جزئیات میں اختلاف بھی واقع ہو جاتا ہے تاہم بحث وتمحیص کے باوجود فطری مجبوریوں کی بنا پر اور ابلاغ کا حق ادا کرنے کے لئے بات عام سے خاص کی طرف ہی بڑھتی ہے۔MACRO ANALYSIS سے MICRO ANALYSIS کی طرف نگاہ رہتی ہے جس سے توجہ اہم سے غیر اہم معاملات کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور اس SHIFT OF AMIHASIS سے 'مدعا' بحث سے خارج ہو جاتا ہے۔ دینی موضوعات بر بحثوں میں بالعموم انہیں مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ اسلام کی سماجی تعلیمات میں لباس کے احکام پر گفتگو کرتے ہوئے ستر وحجاب کے احکام کے ضمن میں خواتین اسلام کے لئے غیر محرم مردوں سے بلاضرورت ملنا ناپسندیدہ ہے اور اگر ملنا پڑ جائے تو اس صوت حال میں (دفتروں، کارخانوں، دوران سفر وغیرہ میں) عورت کے لئے چہرے کا پردہ ضروری ہے۔ کئی مواقع پر گفتگو اس طرح بھی غیر متعلق ہو جاتی ہے کہ ایک شخص عورتوں کے لئے سرے سے پردے کا ہی قائل نہیں ہے لہٰذا اس موقع پر چہرے کے پردے کا موضوع بنانا کارعبث ہی شمار ہوتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آگے بڑھنے سے پہلے ایک اعتراف کی شکل میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعض اوقات بحث وتمحیص میں حصہ لینے والے حضرات مختلف ذہنی پس منظر اور ذاتی رجحان کی وجہ سے مختلف ماحول کو ذہن میں رکھ کر گفتگو کرتے ہیں جس سے گفتگو سلجھنے کی بجائے الجھتی چلی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں لوگ DIFFERENT PLANES پر کھڑے ہو کر بات کر رہے ہوتے ہیں مثلاً پردے کے احکام کے ضمن میں ''چہرے کے پردے'' پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے حق میں لکھنے والا اسلام کے مثالی ماحول کو ذہن میں رکھ کر اسلام کے تصور کامیابی و ناکامی، اللہ، رسول، قرآن، آخرت جنت دوزخ کے تصورات کو سامنے رکھ کر بات کرے گا جبکہ مخالفت میں گفتگو کرنے والا شاید آج کے مغربی ماحول، جدید تعلیم یافتہ طبقات اور ULTRA MODREN سوسائٹی کو ذہن میں رکھ کر دلائل دے رہا ہو جس سے باہمی افہام وتفہیم کی فضا کبھی سازگار نہیں

ہوسکتی۔

ہمیں 'اعتراف' یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے محض بعض تفصیلی اور جزوی تقاضوں کو کسی غیر مسلم معاشرے میں یا آج کے پاکستانی معاشرے میں جبراً نافذ کر دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ معاشرے کے لوگ بغاوت پر اتر آئیں اور خیر کے بجائے شر برآمد ہو جائے۔

آج کا پاکستانی معاشرہ دین سے دور معاشرہ ہے، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے، لوٹ کھسوٹ ہے، اربوں روپوں میں کرپشن کی مثالیں سامنے ہیں، طرز بود و باش میں شاہانہ انداز ہے۔ دوسری طرف غربت ہے، بھوک ہے، افلاس ہے، محرومیاں ہیں، بنیادی انسانی ضرورتیں بھی آدھی آبادی کو میسر نہیں ہیں۔ ان حالات میں ہم صرف چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا نافذ کر دیں یہ بات ویسے ہی دین کے تقاضوں اور منشاء کے خلاف ہے۔ اس اقدام سے خیر کے بجائے شر برآمد ہوگا۔ طبقہ امراء نے پہلے جو چند لوگوں کو چوکیداری، سیکورٹی اور باڈی گارڈز کے طور پر ملازمت دے رکھی ہے اُن کو وہ فارغ کر دیں گے، دو چار کو اپنے اثر و رسوخ سے گرفتار کرا کر چوری کی سزا نافذ کرا دیں گے جس سے افلاس زدہ عوام اور معاشرے کو مجموعی طور پر کوئی خیر میسر نہیں آئے گا اور اسلام بدنام ہو جائے گا۔ جبکہ اسلام کی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے معاشرے میں اسلامی عقائد اور ایمانیات کی تعلیم دی جائے پھر وہ راسخ ہو تو احکام پر عمل درآمد ہو پھر انفرادی زندگیاں بدلیں، خدا خوفی اور محاسبہ اُخروی پر یقین کا ماحول بن جائے، انسانی حقوق اور احترامِ جان و مال کا جذبہ پیدا ہو، کفالت کا نظام ہو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج معالجہ ہر شہری کا حق اس کو مل رہا ہو..... اب چوری کی سزا نافذ ہونی چاہیے۔ اس طرح کام ہو تو اسلامی تعلیمات کے مثبت اثرات آپ ضرور دیکھیں گے۔

اس طرح اسلام کے ستر و حجاب کے احکام ہیں اور اس ضمن میں خواتین اسلام کے لئے گھر سے باہر غیر محرموں سے میل جول کے موقع پر 'چہرے کا پردہ' ہے۔ ممکن ہے اس ضمن میں تنقید کا فرض ادا کرنے والا شخص اپنے ذہن میں ایک جدید اور ULTRA MODERN سوسائٹی اور خواتین کا تصور رکھتا ہو تو ــــــــــــ ہمیں اعتراف ہے کہ 'چہرے کے پردہ' کا حکم آج کے امریکی معاشرے میں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور معاشرے کے بڑے حصے کی طرف سے

اُسے قبول کیے بغیر نافذ کرنا سراسر ظلم ہوگا اس لئے کہ وہاں عورت اور مرد دونوں کو حصول معاش کے لئے بھاگ دوڑ کرنا لازمی ہے اور عورت کو مرد کے شانہ بشانہ کام کر کے مسابقت کے ماحول میں نہ صرف اپنا رزق حاصل کرنا ہے بلکہ اپنی صنفی کمزوریوں پر قابو پا کر میدان میں کھڑے رہنا ہے۔ جہاں روزانہ ہر کارکن (مرد وعورت) کی کارکردگی(EFFICIENCY) مختلف پیمانوں سے ریکارڈ کی جارہی ہو وہاں چہرے کا پردہ کر کے ایک عورت کام میں بھی پیچھے رہ جائے گی اور EMPLOYER کی نگاہ میں گر جائیگی اور PAY OFF کردی جائے گی وہاں عورت کو سفر میں دفتر میں کہیں بھی کوئی خاص PREVILIGES حاصل نہیں ہیں ان حالات میں مرد کے مقابلے میں عورت کو نقاب اوڑھنے کے احکام دے دینا مقابلے کے دو فریقوں میں سے ایک کے ہاتھ پہلے ہی باندھ دینے کے مترادف ہے۔

لہٰذا اس ماحول میں عورت معاشی میدان میں مار کھا جائے گی اور وسائل رزق سے محروم ہو جائے گی یقیناً جب تک پورا معاشرہ یا اس کا بڑا حصہ ایک انقلاب کے ذریعے بدلا نہ جاچکا ہو اور معاشرے کی ترجحات اور اقدار نہ تبدیل ہوگئی ہوں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں وہاں اس جیسے احکام سے خیر برآمد نہیں ہوگا اور اگر مناسب حد تک دعوت کے عمل سے انقلابی تبدیلی آچکی ہو تو معاشرہ اس جیسے احکام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر آگے بڑھ کر قبول کرے گا اور اس معاشرے کا ہر مرد وزن اس میں عافیت اور سکون محسوس کرے گا۔

اسلامی تعلیمات میں خاندان میں عورت ومرد کی ذمہ داریاں

ذیل میں اسلام کی تعلیمات اور انفرادی واجتماعی احکام کا ایک خاکہ پیش خدمت ہے تاکہ قاری کو یہ اندازہ ہو کہ اسلام میں 'چہرے کے پردے' کے احکام کس ماحول اور پس منظر میں دیے گئے ہیں۔آج یہ ماحول کسی برادری اور سوسائٹی کا بھی ہوسکتا ہے جہاں مرد وخواتین اپنے لئے ایک خاص اسلامی ماحول پیدا کئے ہوئے ہیں یا ایک ہمہ گیر انقلاب کے بعد کسی ملک کا جہاں پر بنیادی ناگزیرINFRASTRUCTUE فراہم کر دیا گیا ہو تاکہ کوئی خاتون اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کے لئے اس معاشرہ کا حصہ بن جائے جہاں دفتر، بس، مارکیٹ اور پارکوں کے بدتمیزی(HARASS MENT) کے ماحول سے نکل کر عورت پرسکون حالات میں اہم

شہری کے طور پر اپنے فرائض بجالا سکے اور مرد حضرات بھی اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرتے ہوئے اور اپنے جذبات کو پاکیزہ رکھتے ہوئے ملکی اور ملی ذمہ داریوں کے ساتھ معاشی اور خاندانی ذمہ داریاں بھی خوش اسلوبی سے ادا کرسکیں۔

خاندان کی سطح پر اسلامی تعلیمات کا سماجی اور اقتصادی پہلو

خاندان کا سماجی پہلو

اسلام فطری دین ہے اس میں سماجی سطح پر رنگ ونسل، زبان، علاقہ، پیشہ اور دنیاوی مالی حیثیت کی بنیاد پر کوئی اونچ نیچ (DISCRIMINATION) نہیں ہے حتیٰ کہ مرد اور عورت کی سطح پر بھی بحیثیت انسان برابری ہے۔ اسلام نے 14 صدیاں قبل ہی سماجی امتیازات سے پاک اور ان سے بلند معاشرہ تشکیل دیا تھا۔ مغرب میں آج بھی عورت اکثر مرد کی نسبت سے پہچانی جاتی ہے، عام طور پر عورتیں شادی کے بعد شوہر کا نام اپنے نام کا حصہ بنالیتی ہیں مثلاً کلنٹن کی بیوی کا نام مسز ہلیری کلنٹن ہے، مسز لارابش، نکسن کی اہلیہ مسز نکسن وغیرہ۔ جبکہ اسلام میں مسز محمدؐ، یا مسز علیؓ، مسز عمرؓ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عورت کا اپنا ایک تشخص ہے اور وہ باپ کے نام سے پہچانی جاتی ہے جو ایک وقت میں کسی صاحب کی بیوی ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ کا اپنا پورا انسانی تشخص ہے بلکہ اسلام میں مرد اور عورت کے انسانی تشخص (PERSONIRICATION) کے لحاظ سے مرد اور عورت برابر ہیں اس کی مثال حضرت کا لفظ ہے جو مؤنث ہے انسانی تشخص کے لئے آتا ہے اور مرد وخواتین کے لئے ایک طرح سے استعمال ہوتا ہے گویا انسانی تشخص میں عورت اور مرد برابر نہیں حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہؓ، حضرت عمرؓ اور ان کی بیٹی حضرت حفصہؓ۔ اس مساوات پر تھوڑی سی پابندی اس وقت لگتی ہے جب ایک مرد اور عورت رشتہ ازدواج میں بندھتے ہیں اور نئے بسنے والے گھر میں دو افراد ہیں۔ لہٰذا گھریلو معاملات کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے مرد کو اختلاف رائے کی صورت میں اضافی کاسٹنگ ووٹ (CASTING VOTE) کا حق دیا گیا ہے۔ معاملات خوش اسلوبی سے چلتے رہیں تو ساری زندگی نبھ جاتی ہے تاہم اختلاف کی صورت میں مرد کی بات پر عمل ہوگا یہی فطرت کے مطابق عین طرز عمل ہے اور

دورحاضر کو چھوڑ کر دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں یہی اُصول جاری وساری رہا ہے۔

اگر یہ اصول نہ اپنایا جائے تو شوہر اور بیوی میں کسی بات پر اختلاف کی صورت میں یہ بات گھر سے باہر کسی تیسرے شخص کے پاس ثالثی (ARBITRATION) کے لئے جائے گی جسے کوئی شخص بھی پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا اسلام نے معاملات کو کافی حد تک گھر کے اندر ہی نمٹانے کے لئے مرد کو 'قوام' بنایا ہے اور اس کی وجوہات بھی سامنے رکھی ہیں۔

☆ سماجی سطح پر انسان ایک سماجی حیوان (SOCIAL ANIMAL) کہلاتا ہے اور مل جل کر رہتا ہے۔ لہٰذا مرد وزن کا اختلاط (INTERACTION) ایک فطری بات ہے۔ نسل انسانی کے تسلسل اور تمدن کی گاڑی کو چلانے کے لئے مرد اور عورت میں اولاد کی خواہش اور اُن کی پرورش کے داعیات ودیعت کیے گئے ہیں اور یہ داعیات بعض اوقات اور عمر کے خاص حصے میں بڑے شدید ہوتے ہیں۔ اسلام نے ان داعیات کو صحیح سمت میں پروان چڑھانے کے لئے ان کے جائز راستے اور CHANNELS معین کر دیے ہیں۔

☆ انسان کہنے کو تو ایک حیوان ہے تاہم انسان اور حیوان میں کئی بنیادی فرق ہیں اور تاریخ انسانی گواہ ہے کہ کچھ خاص تاریخی عوامل کے تحت پرورش پانے والے معاشروں کو چھوڑ کر انسان نے ہمیشہ حیوانوں سے بہت بلند معیار پر زندگی گزاری ہے اور اسلام نے اس نسبت سے حیوانوں اور انسانوں کے مابین تین واضح سماجی فرق قائم کیے ہیں۔

(i) انسانوں کے لباس خالق ارض وسماء کا خاص تحفہ ہے۔ جبکہ جانوروں میں لباس کا تصور نہیں ہے۔

(ii) انسانوں میں قریبی رشتوں میں شادی کی ممانعت ہر مذہبی معاشرے کی تعلیمات کا حصہ ہے، اسلام نے بھی کئی قریبی رشتے حرام قرار دیے ہیں۔ ان چند رشتوں کے علاوہ تمام مردوں کے لئے تمام عورتیں حلال قرار دی گئیں ہیں نکاح کی شرائط پوری ہوں تو نکاح کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس جانوروں میں رشتوں کی کوئی تمیز نہیں ہے 'ماں اور بچے' کا تصور حیوانوں میں ایک مختصر عرصے کے لئے رہتا ہے اس کے بعد یہ تصور ناپید ہو جاتا ہے۔

(iii) حیوانوں میں کوئی اخلاقی حس یا ضمیر(CONSCIENCE) یا اچھائی برائی کا تصور نہیں ہے کہ جانور کسی غلطی پر انسانوں کی طرح GUILTY محسوس کریں۔جبکہ انسانوں میں یہ صلاحیت فطری طور پر موجود ہے۔کسی خاص آزاد ماحول میں پلے ہوئے لوگوں کو چھوڑ کر تاریخ انسانی کا کوئی دور مجموعی طور پر ایسا نہیں ہے جس میں انسان اس صلاحیت سے بالکل عاری ہو گیا ہو۔

(یادرہے کہ مغرب اور بالخصوص امریکہ نے گزشتہ نصف صدی میں کوشش کر کے اور نظام تعلیم کو اسی طرح بدل کر MORALLESS اور VALUELESS انسان بنانے کی کوشش کی ہے جس میں آج کا مغرب کا انسان بالکل حیوانی سطح پر چلا گیا ہے اور ان کا ضمیر مر گیا ہے وگرنہ اس سے پہلے مغرب اور امریکہ میں بھی باضمیر لوگ موجود تھے اور بڑی عمر کے لوگوں میں ابھی باضمیر اور با اُصول لوگ موجود ہوں جو انسان کے لئے باطنی اخلاقی حس کی واضح دلیل ہے۔)

☆ لہٰذا ــــــــــــ انسان کو انسان بنانے کے لئے اور معاشرے کو انسانی معاشرہ کے معیار پر قائم رکھنے کے لئے اسلام نے کئی تعلیمات دی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ انسانوں کے لئے کم سے کم لباس مقرر کیا گیا ہے جو 'ستر' کہلاتا ہے۔

☆ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کو چھپانا ہے اور مرد کا مرد سے بھی یہی ستر ہے (ایمرجنسی اور حادثات کی صورت میں یا ڈاکٹر کا زخمی مریضوں کو دیکھنے کی صورتیں استثنائی ہیں۔)

☆ عورت کا عورت سے بھی یہی ناف سے گھٹنے تک ستر ہے جبکہ عورت کا محرم مردوں بھائی، باپ، بیٹا وغیرہ سے ہاتھ پاؤں اور چہرے کے علاوہ سارا جسم ستر ہے سر پر دوپٹہ اوڑھے گی اور سینے کو بھی دوپٹے سے ڈھانپ کر رکھے گی اور یہ گھر کے اندر کا پردہ ہے جہاں محرم رشتہ دار جمع ہوتے ہیں اور ملتے ہیں۔یہ ماحول ایسا ہے کہ جہاں جذبات اور خیالات تک کی پاکیزگی پائی جاتی ہے (مغرب میں قریبی رشتوں ماں بیٹی بہن کا تقدس بھی ختم ہو چکا ہے۔)

2۔ عورت گھر سے باہر نکلے گی تو اُسے اپنے ستر والے لباس کے اوپر ایک بڑی سی چادر

اُوڑھنی ہے تا کہ اس کا سارا جسم ڈھانپا جائے اور چہرے پر کپڑا لٹکانا ہے صرف راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ پردے سے باہر رہ سکتی ہے۔ اسی چادر نے حالات کی تبدیلی اور ترقی کے بعد برقعوں کی شکل اختیار کر لی ہے جو برقعہ قرآن مجید کے الفاظ کے تقاضے پورے کرتا ہے وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح ہے۔

3۔ لباس، ستر اور پردے کے احکام سے مقصود یہی ہے کہ عورت اور مرد کے ناگزیر معاشرتی اختلاط (INTERACTION) کی صورت میں بھی عورت کا جسم مرد کے لئے ظاہر نہ ہو سکے۔

4۔ اس پر مزید اسلام نے مخلوط اجتماعات پر پابندی عائد کی ہے، مخلوط اجتماعات چاہے شادی اور غمی کے اجتماعات ہوں یا تعلیمی تدریسی یا تفریحی ہوں وہ فتنہ کا باعث بنتے ہیں لہٰذا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ تا کہ مرد اور عورت محرم رشتوں کے علاوہ بالعموم ایک جگہ جمع نہ ہوں۔

5۔ اسلام خواتین کی تفریح اور کام پر کلیتًا پابندی نہیں لگاتا مگر اسلام کی تعلیمات کا لحاظ از حد ضروری ہے۔ تفریحی اجتماعات کے ضمن میں رہنما اُصول یہ ہوں گے:

☆ خواتین کے کھیل کود کے میدان اور تفریحی پاک الگ ہوں یا ان کے لئے دن مقرر کیے جائیں۔

☆ خواتین کے کھیلوں کے مقابلوں میں خواتین ہی مہمان خصوصی ہوں اور کسی صورت میں مردوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور ناگزیر فوٹو گرافی اور اخباری کوریج بھی ان پابندیوں کے ساتھ ہو کہ غیر مردوں کے سامنے خواتین کی تصاویر ہرگز آنے نہ پائیں۔

☆ بعض گیموں میں کوچز مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو خواتین کے لئے 'مرد' کوچ کا تصور ہی ممکن نہیں ہے خواتین ہی اس ذمہ داری کو نبھائیں۔

6۔ تعلیمی میدان میں عورتوں کی تعلیم بہت اہم ہے اور اسلام اس پر زور دیتا ہے تاہم عورتوں کی تعلیم کا نصاب مردوں کی تعلیم کے نصاب سے مختلف اور علیحدہ ہونا ضروری ہے اور ان کے لئے ہوم اکنامکس کپڑوں کی کٹنگ سلائی، کڑھائی، بنائی وغیرہ کے کورسز ہوں۔ میڈیکل اور

تعلیم کے شعبے کے لئے خواتین آگے آ سکتی ہیں مگر اسلام کی عائدہ کردہ پابندیوں کے ساتھ اور خواتین کے لئے حتی المقدور خواتین انسٹرکٹر، اساتذہ اور گائڈ مقرر ہوں اور خواتین کے اپریشن وغیرہ کے لئے حق المقدور خواتین کا ہونا ضروری ہے۔

7۔ نرسنگ کا شعبہ آج سارا خواتین کے حوالہ ہے خواتین کے وارڈں اور بچوں کے وارڈوں میں خواتین نرسیں ہوں تو حرج نہیں مردوں کے وارڈوں میں مرد نرسیں (MALE NURSES) ہونا ضروری ہے۔فوج میں عام طور پر پہلے مرد نرسیں ہی ہوتے تھے میدان جنگ میں آج بھی مرد ہی نرسنگ کا کام کرتے ہیں۔

8۔ خواتین کے لئے کام کے مواقع نکالنا آج بہت ضروری محسوس ہوتا ہے اگر یہ ناگزیر ہو تو اسلام کی پابندیاں نبھانا ضروری ہے۔خواتین کے لئے ایسی کارگاہیں (کام کی جگہیں) ہوں جہاں خواتین ہی ورکرز ہوں اور خواتین سپروائزر، خواتین کے بنک، خواتین کے تعلیمی ادارے اور کالج حتی کہ فنی ادارے بھی بن سکتے ہیں جہاں اوپر مردوں سے واسطہ ضروری ہے وہاں میاں بیوی کا تقرر ضروری ہے۔تاکہ عورت شوہر کو جوابدہ ہو اور شوہر آگے حکومتوں کے اہل کاروں کو۔

9۔ خواتین کے لئے کام کے مزید مواقع درکار ہوں تو بچوں کی تعلیم کلاس چہارم تک (جہاں بچوں کی عمر صرف آٹھ سال تک ہوتی ہے) مکمل طور پر خواتین کے حوالے کی جاسکتی ہے اور ان کا تقرر بھی گھر کے قریب ہوتا کہ وہ بسوں کے سفر اور پریشانیوں سے بچ سکیں۔

10۔ خواتین کے کام کی صورت میں ان کے اوقات کار مختصر ہوں تاکہ معاشرتی بگاڑ کا سبب نہ بنیں اور خاتون اپنے شوہر اور بچوں کی طرف سے عائد ذمہ داریاں پوری کر سکے۔

11۔ ہوائی سفر میں فضائی میزبان عملہ میں خواتین کی شرکت خواتین مسافروں کی حد تک ہونا ضروری ہے مردوں اور وہ بھی غیر محرم مرد سے کلی اجتناب ضروری ہے غیر مردوں سے اختلاط کی صورت میں پردے کے احکام پر عمل درآمد ضروری ہے۔

12۔ اسلام نے عورتوں اور مردوں کے اختلاط کو کم سے کم کرنے کے لئے یہ احکامات دیے ہیں اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مرد و زن علیحدہ علیحدہ اپنے دائرہ کار میں رہیں اور محرم رشتوں کے علاوہ صرف نکاح کی صورت مرد اور عورت آپس میں مل سکتے ہیں۔اس لئے اسلام نے نکاح کا

راستہ آسان کیا ہے اور اس کی اہمیت واضح کی ہے۔

13۔ نکاح کے ساتھ عورت اور مرد کی طلاق اور علیحدگی کی صورت میں بھی انہیں کچھ پابندیاں (از قسم عدت وغیرہ) برداشت کرنا ہیں تا کہ انسان کا حسب نسب بے عیب رہ سکے اور پیدا ہونے والے ہر بچہ کے بارے میں واضح معلوم ہو کہ یہ کس ماں باپ کا بیٹا ہے؟

14۔ اسلام میں حسب نسب کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور اس کا ریکارڈ رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ محرم رشتوں کی پہچان اور شادی کے لئے رشتہ کی تلاش اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلام میں نسبتی رشتوں کے علاوہ رضاعی رشتے بھی ہیں جو شادی کے لئے حرام ہیں اور ان کا لحاظ اسی صورت میں ممکن ہے کہ بچے کی پیدائش اور ابتدائی سالوں میں جب وہ دودھ پینے کی عمر میں ہو نگرانی کی جائے کہ اس نے ماں کے علاوہ کس کس کا دودھ پیا ہے اور کون کون اس کے رضاعی رشتہ دار بن گئے ہیں۔

15۔ حسب نسب کی پہچان اور ریکارڈ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسلام میں وراثت کا قانون ہے جب تک مرنے والے کی تمام اولاد معلوم نہیں ہوتی وراثت تقسیم نہیں ہو سکتی اگر ہو گئی تو ناانصافی ہو گی لہٰذا حسب نسب کا ریکارڈ ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔

16۔ ان تعلیمات کی وجہ سے اسلام نے پردے کے احکام دیئے ہیں۔ تا کہ عورتوں مردوں کے اختلاط کو کم سے کم کیا جا سکے۔ ان پردے کے احکام میں چہرے کا پردہ بھی شامل ہے۔

17۔ اس چہرے کے پردے کی اہمیت کے بارے میں اسلام کا یہ اُصول ہی مطلوب کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ جہاں کوئی مرد نکاح کا خواہش مند ہو تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مرد کو اس عورت کو ایک نظر دیکھ لینا چاہئے تا کہ اس کو اطمینان ہو اور بعد میں کسی ناچاقی کا سبب نہ بن جائے۔ ایک نگاہ دیکھ لینے کی اجازت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسلام میں بالعموم کوئی عورت ننگے چہرے کے ساتھ باہر نہیں آتی حتیٰ کہ نوجوان لڑکیاں بھی..... ورنہ اس اجازت کی ضرورت کیا ہے؟

18۔ مغرب نے پردے کے احکام کو یکسر نظر انداز کر کے عورت کو بے لباس کر دیا اور مرد و زن کے آزادانہ اختلاط سے خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اب وہاں لوگوں کو اپنے ماں، باپ کے نام

معلوم نہیں۔اسی لئے مغربی معاشرے میں ملازمت کا فارم ہو یا ڈومیسائل کا یا شناختی کارڈ کے اندراجات ہوں.....سائل کے نام کے ساتھ اس کی ماں کا نام پوچھا جاتا ہے جبکہ والد کے نام کا خانہ(SPACE) ہی نہیں اس لئے کہ وہاں یہ زحمت گوارا ہی نہیں کی جاتی کہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔یہ صورت حال اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہی نہیں بلکہ اسلام کے بڑے بڑے احکام پر عمل درآمد (وراثت کی تقسیم وغیرہ) کے راستے میں رکاوٹ ہے لہٰذا یہ باتیں مغربی معاشرے کو مبارک ہوں۔ اسلام کی تعلیمات میں تو حسب نسب کا شفاف ہونا(TRANSPARENCY) ازحد ضروری ہے جو شخص اپنے حسب نسب کی شفافیت کو پسند نہیں کرتا وہ اپنا ٹھکانہ خود سوچ لے۔

خاندان کا اقتصادی اور معاشی پہلو

☆ اسلامی تعلیمات میں مرد کمانے کا ذمہ دار بنے اور عورت بالعموم گھریلو زندگی کی آرائش اور تہذیب کی۔ بیٹی جب تک باپ کے گھر میں ہے باپ کفالت کا ذمہ دار ہے بیٹی بالغ ہوگئی شادی ہوگئی.....اب اس کی کفالت کا شوہر ذمہ دار ہے۔

☆ چودہ صدیاں پہلے بھی اخراجات زندگی کی فراہمی کے لئے معیشت کی بہت اہمیت تھی اور آج تو بہت زیادہ ہے۔زندگی گزارنے کے لئے مرد اور عورت دونوں کی ضرورت ہے کہ وسائل فراہم ہوں، آمدنی ہو، کیش ہو.....تاکہ گھر، سہولتیں، کھانا پینا، بچوں کی پرورش، میڈیکل، تعلیم وغیرہ کے اخراجات برداشت کیے جاسکیں۔

حصول معاش کے لیے بھاگ دوڑ

تاہم اسلامی تعلیمات میں یہ ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے کاندھوں پر ہے۔مزید براں عورت کی جسمانی ساخت میں اللہ نے مرد کے لئے کشش رکھی ہے۔اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ کسی مرد کو اپنے جسم کا کوئی حصہ نہ دکھائے اور نہ قریب آنے دے جب تک وہ اس کا باقی ساری زندگی کا نان نفقہ وغیرہ کا گواہوں کی موجودگی میں عہد نہ کرلے۔آج کل نکاح رجسٹر ہوتا ہے لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ جب تک گواہوں کی موجودگی میں سرکاری کاغذ پر لکھ کر تسلیم نہ کرے کہ میں اس کا باقی ساری زندگی نان نفقہ وغیرہ برداشت کروں گا نکاح نہیں ہے۔نکاح کا مطلب

ہی یہ ہے کہ ایک مسلمان خاتون ایک مسلمان مرد کے ساتھ زندگی نبھانے کا عہد کرتی ہے اور مرد اس کی معاشی کفالت (رہائش، کھانا پینا، لباس، علاج معالجہ وغیرہ) کا ذمہ لیتا ہے۔ اب مسلمان خاتون معاش سے آزاد رہ کر پرسکون حالت میں گھر چلاتی ہے، شوہر کی آمدنی کے اندر اندر (اور ناگزیر حالت میں گھریلو کام کاج خود سرانجام دے کر) حسن انتظام سے گھر کو آباد رکھتی ہے۔

☆ اس پس منظر میں اب عورت کی کفالت کا بندوبست ہو جانے کے بعد عورت کو شوہر کے ساتھ وفاداری کا عہد نبھانا چاہیے اور شوہر کے علاوہ کسی غیر مرد سے کوئی امیدیں اور توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہئیں اور نہ میل جول بڑھانا چاہیے۔ اسلام میں عورت کی طرف سے شوہر سے بے وفائی خیانت شمار ہوتی ہے۔

☆ اسلام نے گھر کے ماحول میں محرم رشتوں میں شادی کی پابندی سے ایک ایسا پاکیزہ ماحول فراہم کیا ہے جہاں اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات نہیں ہوتی اور 'جنس' موضوع بحث نہیں ہوتی ــــــــــ یہ وہ ماحول ہے جو بچوں کی تربیت کی پہلی درس گاہ ہے اس پاکیزہ ماحول میں جن بچوں کی تربیت ہوتی ہے وہ افراد نوع بشر حقیقی انسان بن کر اُٹھتے ہیں۔

☆ اس کے برعکس اگر گھر کا ماحول اسلام کے مطابق نہ ہو گھر میں دفتر کے ماحول کی طرح ہر مرد اور عورت اپنے مفاد اور جنسی معاملات کی تلاش میں ہو تو.....ایسے گھروں میں سکون نہیں ہوسکتا ہر کوئی ہر وقت ایک دوسرے کو گھیرنے اور تنگ کرنے (HARRASSMENT) میں مصروف رہتا ہے۔ یہیں سے تمدن کی بنیادیں غلط ہو جاتی ہیں ایسے ماحول میں پلنے اور تربیت پانے والے بچے غیر شعوری طور پر عمر کے ایسے تجربات سے گزرتے ہیں جو ان کی معصومیت کو ختم کر کے برائی کے بیج بو دیتے ہیں اور یہی نئی نسل پھر ــــــــــ آہستہ آہستہ مادر پدر آزاد، ہر اخلاقی قدغن سے آزاد، ہر اصول اور ضابطے سے آزاد، ہر پابندی سے آزاد، ہر ذمہ داری سے آزاد رہ کر زندگی گزارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی میں انسانیت کم اور 'جنس' زیادہ غالب رہتی ہے۔ گزشتہ چھ سات عشروں کا مغربی اور امریکی معاشرہ اسی بات کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔

عورت کو معاشی تحفظ

☆ اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد سے عورت کو اپنی ضروریات کے لئے معاشی تحفظ ملتا ہے،

مہر کی رقم ملتی ہے، شوہر سے عام طور پر ماہانہ ذاتی اخراجات ملتے ہیں، مزید برآں مرد حضرات کو تجربہ ہے کہ انسان دفتر میں اکثر سخت گفتگو، تلخ کلامی، کام میں کوتاہی پر جھاڑ اور ناراضگی برداشت کرتا ہے۔ پھر کبھی مرد بے روزگار (JOBLESS) ہو جائے تو انسان پر کیا گزرتی ہے۔ اسلام کی تعلیمات نے انسان کے گھریلو ماحول کو اس ہذیاتی کیفیت (ABNORMAL CONDITIONS) سے محفوظ رکھا ہے۔ مرد عارضی طور پر بے روزگار ہو گیا ہے مگر وہ گھر آئے گا خاتون خانہ اس کے استقبال کے لیے موجود ہے، بچے باپ کے غم سے آزاد اس کا دل بہلانے اور اس سے کہانیاں سننے اور سبق سنانے کے لئے بے تاب ہیں۔ اس طرح فیملی سسٹم میں یہ عارضی مشکل کا دور خوش اسلوبی سے گزر جاتا ہے اور انسان 'عدم توجہ' اور 'اکیلے پن' کے احساس کے تحت خودکشی کا اقدام نہیں کرتا۔

☆ اسلام نے خواتین کو بھی وراثت کا حق دیا ہے والدین کی طرف سے، شوہر کی طرف سے، بیٹے کی وفات کی صورت میں، بہن کی وفات کی صورت میں اسے معقول رقم مہیا ہوتی رہتی ہے جس سے وہ گھر میں خرچ کر سکتی ہے اپنی ذاتی ضروریات کے علاوہ صدقہ خیرات، حج وعمرہ وغیرہ کے اخراجات کر سکتی ہے۔ عورت کے والدین زیادہ آسودہ حال ہیں تو وہ زمینوں کا بندوبست جاری رکھ سکتی ہے کاروبار کر سکتی ہے۔ اسلام نے عورت کو وراثت کا حق 14 صدیاں قبل دیا تھا جبکہ مغرب نے 80 سال قبل دیا ہے اور بعض معاشروں میں ابھی تک نہیں ہے۔

☆ اس پس منظر میں عورت کی وفاداری کا مرکز اور وفا کا کعبہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد صرف اور صرف اس کا شوہر ہی رہنا چاہیے، عورت کا بناؤ سنگار اپنے محرم رشتہ داروں کی خوشیوں کا حصہ ہوگا۔ تاہم اس کا بنیادی مقصد شوہر کو خوش رکھنا ہوگا نہ کہ دوسروں کو دکھانا اور غیر مردوں کے سامنے اس کا اظہار کرنا اور داد پانا۔

☆ اکثر گھروں میں یہی حالات ہیں اور آج بھی مسلم معاشروں میں 80 فیصد خواتین اسی طرح کی پرسکون زندگی گزارتی ہیں۔ چونکہ اسلام کا اجتماعی نظام ــــــــــ نظام خلافت جو نظام کفالت بھی ہے عرصے سے غالب نہیں اور اس پر عمل نہیں ہو رہا۔ لہٰذا اس وجہ سے بعض تکلیف دہ صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً شوہر بیمار ہو گیا، اپاہج ہو گیا، کام کرنے کے قابل نہیں رہا، فوت

ہوگیا، بچے چھوٹے ہیں، عورت کو کام کرنا پڑتا ہے، سود اسلف لینے والا کوئی نہیں، بازار خود جانا پڑتا ہے۔ اسلام میں ایسی صورت حال کے لئے گھر کے اندر کا لباس 'ستر' ہے اور اس کے احکام ہیں یہ لباس محرم مردوں کے سامنے آنے سے متعلق ہے۔ جبکہ عورت کو گھر سے بامر مجبوری باہر نکلنا پڑے تو ستر کے لباس کے اوپر ایک بڑی چادر (یا برقعہ) اوڑھ لے تاکہ اس کا جسم پوشیدہ رہے اور قد کاٹھ کے علاوہ دیگر زیب وزینت ظاہر نہ ہو۔

کفالت عامہ

☆ آج اسلام کے اجتماعی نظام کے نفاذ اور اسلامی ریاست کی غیر موجودگی میں عورت کے لئے بہت سے مسائل ہیں بنیادی طور پر ان کا حل اسلام کے نفاذ کی جدوجہد ہے تاکہ یہ پریشانیاں ختم ہوسکیں۔ نظام خلافت ہوتو_____

☆ کفالت کا نظام ہوگا، عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو ریاست کفالت کرے گی۔

☆ اسلامی نظام کفالت میں روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ حکومت کے ذمہ ہے۔

☆ اسلامی نظام میں عورت کو کسی صورت معاشی جدوجہد کے لئے 'خوار' ہونے اور دردر کے دکھے کھانے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر خواتین کو یہ بات سمجھا دی جائے اور خواتین خود بھی اس جدوجہد میں آگے آئیں اور اپنے گھر کے مرد حضرات کو نظام خلافت کے نفاذ کے لئے جدوجہد پر مجبور کریں اور نظام خلافت قائم ہوجائے تو نظام کفالت سے مسلمان معاشرہ پرسکون زندگی گزار سکتا ہے_____ دور حاضر میں مرد وخواتین کی اس بیداری کے بعد اسلام کے نظام خلافت کا نفاذ زیادہ دور نہیں رہے گا ان شاءاللہ۔

سماجی اور معاشی سطح پر اسلام کی ان تعلیمات کی روشنی میں آج بھی جس قدر ممکن ہو خاندانی سطح پر اور محدود مسلم معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے مسلمان مرد وخواتین مطمئن اور پرسکون گھریلو زندگی گزار سکتے ہیں۔

جہاں غیر مردوں سے اختلاط نہ ہونے کے سبب مرد عورت کے کردار سے مطمئن رہتا ہے اور عورتوں کے آزادانہ باہر نہ نکلنے سے مردوں کی بھی عفت وعصمت محفوظ رہتی ہے اور بے راہ روی کے مواقع محدود ہوکر نہ ہونے کے برابر ہوجاتے ہیں جس سے عورت اور مرد (میاں بیوی)

میں باہمی اعتماد کی فضا پروان چڑھتی ہے جو ایک پرسکون خاندانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ بات آج کے مغربی معاشرے میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ اسی وجہ سے گھریلو جھگڑے، طلاقیں اور لڑائیاں عروج پر ہیں اور یہی بات ہر اُس معاشرے میں ترقی پذیر ہے جو اسلام کی فطری تعلیمات سے دور ہو کر مغرب کی تعلیمات اور LIFESTYLE کو اپنا رہا ہے۔ خاندان کی تباہی کا سبب مغربی سماجی عروج ہی ہے۔

گھریلو ناچاقی اور گھریلو زندگی کا سکون شوہر اور بیوی کے لئے تو اہم ہے ہی.....اولاد کی پرورش اور صحت مند تربیت کے لئے بھی بڑا ضروری ہے۔ اسلام کے نزدیک بچوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہے اور پھر اس کا گھر ہے۔ اس لئے اسلام نے گھریلو زندگی کو پرسکون رکھنے کے لئے یہ پابندیاں عائد کی ہیں جو بظاہر آج کی مغربی ترقی کی سوچ کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو نتائج کے اعتبار سے ازحد مفید اور نتیجہ خیز ہے اور تھوڑی قیمت پر بہت زیادہ اجتماعی فوائد کی حامل ہیں۔ انہیں پابندیوں میں دیگر احکامات کے ساتھ چہرے کا پردہ بھی شامل ہے۔

3

1910ء--2010ء

جنوبی ایشیا (برطانوی ہند) کے
مسلمانوں کی تاریخ

قیامِ پاکستان (اگست 1947ء) سے یومِ تکبیر (مئی 1998ء) تک

انجینئر مختار فاروقی

بیسویں صدی کے وسط میں 'لا الہ الا اللہ' کی بنیاد پر ایک ملک کا دنیا کے نقشہ پر ابھر آنا یقیناً ایک معجزہ سے کم نہیں تھا، جبکہ حالات بھی ناموافق تھے اور اس وقت کے منظر (SCENARIO) میں تمام کردار بھی مخالف تھے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا یہ لازوال عزم تھا اور ان کے قائدین کا بے مثال جذبہ کہ اس نے نہ صرف مسلمانوں کو جوڑ دیا بلکہ ابھی ربع صدی قبل مسلمانوں کی خلافت کو جس طرح بے دردی سے 'قتل' کیا گیا تھا ــــــــــ اللہ تعالیٰ نے اُس کے 'احیاء' کا سامان بھی پیدا کر دیا تھا۔

نوزائیدہ مملکت خداداد پاکستان کے منصۂ شہود پر آتے ہی عالمی ایجنسیاں، عالمی سپر طاقتیں، پڑوسی ممالک اور دیگر اقوام اپنے اپنے خفیہ عزائم کے ساتھ پاکستان پر اس طرح چڑھ دوڑیں جیسے کسی معروف کاروباری مرکز میں کسی نئے 'پروڈکٹ' (PRODUCT) کو دیکھنے کے لئے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس منظر نامے میں پاکستان کے حالات پر اثر انداز ہونے والے حالات و واقعات کو درج ذیل عنوانات کے تحت پیش کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی پیدا ہو سکے۔

1۔ برطانوی سامراج کا طرزِ عمل (اسرائیل کا قیام)

2۔ پڑوسی ممالک

3۔ افغانستان اوراس کے پس منظر میں USSR کا سوشلسٹ انقلاب کا دباؤ (چین کی آزادی)

4۔ عالم اسلام کی بیداری

5۔ عالمی صہیونی مافیا کے زیر اثر امریکہ (USA)

6۔ پاکستان کے داخلی عوامل

7۔ تاریخ کے لحاظ سے 20ویں صدی کا مقام

8۔ 1947ء..... 1957ء، 1958ء..... 1971ء، 1972ء..... 1977ء۔ 1977ء۔1988ء، 1988ء۔1998ء

نوزائیدہ مملکت کے ابتدائی ماہ وسال

نوزائیدہ مملکت پاکستان کے ابتدائی سال بڑے کسمپرسی کے تھے اور متضاد طرح کے تقاضے بیک وقت سامنے تھے اور یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ پاکستان ان نامساعد حالات سے بسلامت نکل آیا۔ عالم اسباب میں اس کامیابی کا سہرا اگر جاتا ہے تو اس وقت کی (جیسی بھی تھی) قیادت کو۔ چاہے وہ حکومت میں تھے یا حکومت سے باہر تھے۔

پاکستان کو جن چند مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ہمالیہ ایسا بڑا اور مہیب تھا اور بظاہر احوال ان مسائل کا کوئی فوری حل بھی عالم اسباب میں مفقود تھا مگر محنت، لگن اور ایثار و قربانی کے جذبے سے مسلمانوں نے ان تمام مسائل پر قابو پالیا۔ ان گھمبیر مسائل میں سے چند ایک کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

1۔ اعلانِ آزادی (3 جون 1947ء) اور ہجرت

قائداعظم محمد علی جناح، پنڈت نہرو اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے حتمی مذاکرات کے نتیجے میں برطانوی ہند کی تقسیم کا فیصلہ کیا گیا اور اس کی پختگی کے لئے آل انڈیا ریڈیو (AIR) سے اعلان بھی کر دیا گیا۔ اگرچہ حالات کا رُخ پہلے ہی بتا رہا تھا کہ برطانوی سامراج دفع ہونے والا ہے اور

مسلمانوں کی دوصدیوں پر محیط غلامی کی طویل رات چھٹ کر صبح آزادی طلوع ہونے والی ہے' تاہم اسے مسلمان دشمن سامراج اور بیدار ہندو ذہن کی سازش ہی کہا جاسکتا ہے کہ حکومتی سطح پر امن وامان برقرار رکھنے کے لئے خاطر خواہ انتظام کیے بغیر یہ اعلان آزادی جہاں مسلمانوں کے لئے خوشیوں کا پیغام لایا وہاں ہندو جنتا (عوام) اور مذہبی جنونی ہندوؤں کے لئے نا قابل یقین تھا۔ اس کا جو نتیجہ متوقع تھا وہی ہوا کہ ہندو بنیاد پرستی کا جن باہر آ گیا اور ہندو مسلم فسادات کا آغاز ہوگیا۔ وہی ہندو جو ایک چہرے کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لئے اظہار یکجہتی کر رہا تھا اور دلائل کے انبار لگا دیتا تھا کہ ہم تو صدیوں سے اکٹھے گزارہ کر رہے ہیں آپ مسلمان ہم سے کیوں الگ ہو رہے ہیں، انگریز کے جانے کے بعد ہم پھر شیر وشکر ہو کر رہیں گے.....وہی ہندو در پردہ سازش کر کے اور ''بغل میں چھری، منہ میں رام رام'' کے روایتی انداز میں دوسرے چہرے کے ساتھ سامنے آ گیا اور ملک کے طول وعرض میں مسلم کُشی کا آغاز ہو گیا اس دفعہ یہ فسادات یک طرفہ تھے اور مسلمان علاقوں (پنجاب، سندھ اور بنگال وغیرہ) سے جانے والے ہندو شاذ کہیں مارے گئے اور بخیر و عافیت اپنے خوابوں کی سرزمین بھارت پہنچ گئے جبکہ ہندو اکثریتی علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر منظّم انداز میں قتل کیا گیا اور دہشت گردی کا نشانہ بنا دیا گیا، دیہات کے دیہات ایسے تھے جہاں مسلمانوں کا قتل عام کر کے صفایا کر دیا گیا، ٹرینوں میں سوار لٹے پٹے قافلوں کو قتل کیا گیا، ٹرینوں کو آگ لگا دی گئی، پیدل قافلوں پر شب خون مارے گئے، عورتوں بچوں بوڑھوں کو ایسے سفاکانہ اور ظالمانہ انداز میں شہید کیا گیا کہ الامان الحفیظ۔ اگر اس دور کی ہندو سفاکی کی داستان دوبارہ سامنے لا کر رکھ دی جائے تو ہندو مسلم دوستی کا منافقانہ پردہ تار تار ہو جائے اور صرف چند واقعات ہی عالمی میڈیا کے سامنے رکھ دیئے جائیں تو لوگ ممبئی دھماکوں کو 'امن کی آشا' سمجھیں گے کہ یہ تو معمولی سا واقعہ تھا جسے ایسے ہی بڑھا چڑھا کر افسانہ کر دیا گیا۔

لاکھوں لوگ قتل ہوئے، لاکھوں بچے اغوا ہو گئے، لاکھوں مسلمان عورتیں اغوا کی گئیں، لاکھوں ہندوؤں اور سکھوں نے زبردستی روک لیں، لاکھوں گھروں سے نکل کر در بدر ہو کر سفر کی صعوبتوں کے ساتھ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ یہ وہ خونی باب ہے جس کا تذکرہ نئی نسل کے

سامنے ضروری ہے۔ جون 47ء سے شروع کیا یہ سلسلہ اگست 47ء اور پھر دو سال بعد تک خوب گرم رہا اور پاکستان کی طرف آگ اور خون کا دریا پار کر کے پہنچنا ممکن تھا۔

یہ ہندو ذہن تھا.....حکمران برطانوی سامراج اور اس کے نمائندے مسلمان دشمن ماؤنٹ بیٹن نے سرکاری سطح پر امن وامان کے لئے نہ ہونے کے برابر انتظام کیے اس کے برعکس فوج میں ہندو اور سکھ دستوں کو غیر اعلانیہ آزادی تھی کہ مسلمانوں کا جس طرح چاہیں خون بہائیں اور ان کا قتل عام کریں۔ اس دور کے اخبارات اور اردو ادب (جیسے نسیم حجازی کا ناول خاک وخون وغیرہ) اس خونی داستان سے پردہ اٹھاتے ہیں مگر اس کی فرصت کس کو ہے وہ ان حالات کو پڑھے اور اس کی تفصیل میں کون جائے۔ انتقال آبادی کے ان مراحل میں لاکھوں مسلمان عورتیں ہندوؤں نے اغوا کی گھروں میں ڈال لیں اور یہ ہماری مسلمان بہنیں کسی غزنوی اور کسی محمد بن قاسم کا انتظار کرتے کرتے بال سفید کر بیٹھیں یا دنیا سے ہی رخصت ہو گئیں۔

2۔ ذیل میں ہم ایسی ہی دکھی مسلمان خاتون کی داستان پر ایک شاعر کی نظم نذر قارئین کر رہے ہیں تا کہ نئی نسل کو آگہی ہو کہ یہ آزادی کتنی قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی تھی اور ہم آج اس آزادی کا کیا مصرف کر رہے ہیں۔ یہ مسلمان خاتون کسی ہندو نے زبردستی گھر میں ڈال لی تھی اس کے دکھوں کے کرب اور جذبات کی زبان ایک دردمند دل ہی جان سکتا ہے۔ کاش اس سے ہماری غیرت جاگ جائے اور ہم مسلمانی کی طرف ہی لوٹ آئیں۔ (بیاض سونی پتی مرحوم کی یہ نظم کچھ عرصہ پہلے ہی حکمت بالغہ کے ایک قاری نے ارسال کی ہے)

کوئی قاسم، کوئی محمود نہ اب آئے گا

(بھارت کے یوم آزادی پر بھارت میں ایک مسلمان مغویہ کے تاثرات)

پھر سلگ اٹھا ہر اک داغ دھواں دینے لگا
پھر ہر اک زخم جگر سوز سے خون رسنے لگا
دی صدا گزرے ہوئے وقت کے سناٹے نے
پھر کسی حسن نظر سوز سے خون رسنے لگا
ایک اغوا شدہ دوشیزہ مسلم کہ ہے آج

فکر اندوہ میں ڈوبی ہوئی غمگین و حزیں
وقت کرتا ہوا پرواز گزر جاتا ہے
غم کا اس ماہ جبیں کے کوئی چارہ بھی نہیں

55 سال اس نے گزارے ہیں مقید رہ کر
آج بھی زندہ ہے یہ جور وستم سہہ سہہ کر
آہ لب تک کبھی آئی نہ غضب کے ڈر سے
آئے رخسار تلک اشک الم بہہ بہہ کر

تھی جواک خان کی بیٹی وہ ہےاب شام کی ماں
اب ہے جے پال کی،جگدیش کی، جےرام کی ماں
اس کی عصمت کا کوئی پوچھنے والا نہ رہا
آج سکھ دیو کی بیوی ہے تو گھنشام کی ماں

افق پاک کی جانب سے جو اُٹھتا ہے غبار
سوچتی ہے کہ نگہبانِ حرم آتے ہیں
میری عصمت کے محافظ میری عفت کے امین
ہاتھ میں تیغ لیے تیز قدم آتے ہیں

ہر کرن تیرگی شام میں ڈھل جاتی ہے
آرزو حسرتِ ناکام میں ڈھل جاتی ہے
حسن پھر زینت آغوش دگر ہوتا ہے
زندگی گردش ایام میں ڈھل جاتی ہے

کوئی قاسم ، کوئی محمود نہ اب آئے گا
لمحہ لمحہ یونہی یہ وقت گزر جائے گا
کوئی آیا نہ اگر موت تو آئے گی ضرور
کیا میری موت کا سایہ بھی نہ لہرائے گا

آج کا دن تو مسرت کا امین ہے ماتا

آج کے دن کوئی غمگین نہیں ماتا
آج مسرور ہر اک ماہ جبین ہے ماتا
آج کا دن تو مقدس ہے حسین ہے ماتا

ماں! تیری پلکوں پہ اشکوں کے ستارے کیوں ہیں
آج کیوں درد کی تصویر بنی بیٹھی ہے
کہہ کہ جے پال پیار سے بوسہ نہ دیا
پڑھ سکوں جو نہ، وہ تحریر بنی بیٹھی ہے

ماں سنا ہے تو مسلمان تھی مسلمان تھے کون
اہل بھارت تھے وہ حیواں تھے کہ انسان تھے کون
کہتے ہیں قوم جیلانی تھی جری تھی لیکن
نہ بنے جو تیری غیرت کے نگہبان تھے کون

بیسیوں سال کا ہے ذکر، سنا ہے میں نے
کہتے ہیں ڈر سے وہ منہ اپنا چھپا کر بھاگے
کتنے بزدل تھے، کمینے تھے وہ نامرد ذلیل
چھوڑ کر تجھ کو جو جان اپنی بچا کر بھاگے

آج ہی کے دن تو سوراج ملا تھا ہم کو
آج آزادی کا یہ تاج ملا تھا ہم کو
آج کا دن تو مقدس ہے حسین ہے ماتا
آج کے دن کوئی غمگین نہیں ہے ماتا

ہاں میرے لال مقدس ہے، حسین ہے یہ دن
میری خاطر تو مسرت کا نہیں یہ دن
جا میرے لال منا جشن یہ دن جشن کا ہے
میرے جے پال منا جشن یہ دن جشن کا ہے

کوئی قاسم ، کوئی محمود نہ اب آئے گا

لمحہ لمحہ یونہی یہ وقت گزر جائے گا
وقت گزرے تو پھر موت بھی آجائے گی
اور یہ موت کی آغوش میں سو جائے گی

مسلم کُش ہندو جنونیت اور دہشت گردی کی لہر ملک گیر تھی اور خود دہلی دارالحکومت میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ 19 جولائی سے (غالباً) رمضان المبارک شروع ہوا اور اس میں بھی ہنگامے جاری رہے، بہت سے قافلے جیسے تیسے پاکستان پہنچ رہے تھے اور 14 اگست تک صبح آزادی کے ہزاروں لاکھوں متوالے برطانوی سامراج کے بے رحمانہ ظلم و تشدد سے گلوخلاصی کا اعلان سننے کے منتظر تھے قائداعظم 14 اگست 47ء کو کراچی میں تھے۔

قیام پاکستان اور پہلا یومِ آزادی

13۔14/اگست 47ء رات 12 بجے ریڈیو سے یہ آواز بلند ہوئی 'یہ ریڈیو پاکستان ہے' تو خلق خدا اپنے رب کے حضور خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ شکر کر رہی تھی کہ اے اللہ تو نے ہمیں بیک وقت انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزادی بخشی ہے۔ یہ شب 27 رمضان المبارک کی شب تھی اور معروف معنی میں نزولِ قرآن کی رات اور لیلۃ القدر تھی۔

آزادی کی تقریبات میں پاکستانی پرچم لہرانے اور دعا کے لئے قائداعظم نے مغربی پاکستان کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور مشرقی پاکستان کے لئے مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا۔ دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی مسلمان ریاست پاکستان یکا یک ابھر کر سامنے آ گئی اس وقت کا پاکستان دو حصوں پر مشتمل تھا ایک مشرقی پاکستان جو اب برادر ملک بنگلہ دیش کہلاتا ہے دوسرا مغربی پاکستان جو آج پاکستان کہلاتا ہے۔

بھارت اور پاکستان میں اثاثوں کی تقسیم

تبادلہ آبادی کا مرحلہ کئی سالوں جاری رہا۔ تاہم اثاثہ جات کی تقسیم فوج، فوجی ساز و سامان، ساری املاک کی تقسیم میں ہندو نے روایتی بددیانتی کا ثبوت دیا اور برطانوی سرپرستوں کی

اشیر باد انہیں حاصل رہی۔ یہ بد دیانتی اتنی واضح تھی کہ دنیا دیکھ رہی تھی مگر نوزائیدہ مملکت پاکستان کے وسائل پر قبضہ کر کے برطانوی سامراج اور ہندو قیادت پاکستان کا گلہ گھونٹ کر مار دینا چاہتے تھے۔ یہ ظلم اور ناانصافی اتنی واضح تھی کہ خود (پاکستان کا قیام میری لاش پر ہی ممکن ہے کہنے والا لیڈر) مہاتما گاندھی کو مرن بھرت (بھوک ہڑتال) کرنا پڑی مگر جنونی مسلمان دشمن ہندو انتہا پسند دہشت گردوں کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔

قائداعظم بطور گورنر جنرل پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے، ماہ اگست گزرا دفتروں میں سرکاری کام ہونے لگے، ملک کا نظم ونسق بحال ہونے لگا، ماہ ستمبر آیا سرکاری ملازمین کے لئے تنخواہوں کی ادائیگی کا مسئلہ درپیش ہوا۔ مگر.....خزانہ خالی تھا ہندو بنیا مکاری سے مسلمانوں کو کچھ دینے پر راضی نہ تھا اور برطانوی حکومت کی دلی خواہش بھی یہی تھی کہ مسلمانوں کو برطانیہ سے 'آزادی' کی سزا دی جائے۔

روایت یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی کابینہ کا اجلاس بلایا اور بیس منٹ سب لوگ خاموش بیٹھے رہے کہ وسائل نہیں ہیں خزانہ خالی ہے کوئی حل سامنے نہیں آیا اور اجلاس برخاست کر دیا گیا۔ اس وقت مسلمان عوام اور خواص سب میں مذہبی جذبہ عروج پر تھا۔ سید عبدالستار دلیکا کو اس میٹنگ کی کاروائی معلوم ہوئی تو انہوں نے قائداعظم کو BLANK CHECQUE پیش کیا کہ جتنی رقم درکار ہو درج کر کے میرا کاؤنٹ سے نکلوالی جائے۔

احیائے خلافت کا جوش اور ولولہ

پاکستان کے ابتدائی ماہ وسال قربانیوں کی لازوال داستان ہے جس کا ہر پہلو حوصلہ افزا اور ایمان افروز ہے۔ مہاجرین کے قافلے پاکستان میں داخل ہوئے تو لاہور میں اہل مسجد نے جس طرح ان کی خدمت اور میزبانی کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ بہاولپور میں نواب بہاولپور، رحیم یار خان اور سندھ کے شہروں میں ایثار وقربانی کی ایسی سینکڑوں داستانیں ہیں جن کا تذکرہ ہی اسلامی بھائی چارہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔

حالات گزرتے رہے.....ایک سال بعد دوسرا یوم آزادی آیا تو اس وقت تک پاکستان کا نام اور اسلام کی عظمت کے حوالے سے مسلمانوں کا جذبہ چہار دانگ عالم میں آشکار ہو چکا تھا۔ پاکستان کے مسلمان اسلام سے وابستگی اور علامہ اقبال کے افکار اور قائداعظم کی تقاریر اور بیانات کی روشنی میں عالم اسلام کی نگاہ مسلمانوں کے عالمی سطح پر روشن مستقبل کے لئے امید کی کرن تھی چنانچہ 14/اگست 1948ء کے یوم آزادی کے موقع پر 25 سے زائد اسلامی ملکوں کے فوجی وفود پاکستان آئے اور آزادی کی پریڈ میں حصہ لیا' جو پاکستان اور پاکستان کی قیادت پر عالم اسلام کے اعتماد کا مظہر تھا۔

14/اگست 1949ء کے تیسرے یوم آزادی کے موقع پر 30 سے زائد اسلامی ملکوں کے فوجی دستوں نے پریڈ میں حصہ لیا۔ ان حسین خواب جیسے لمحات کے عینی شاہد ابھی خال خال زندہ ہیں۔ جناب سید قاسم محمود (شاہکار مطبوعات اور ان گنت کتابوں کے لکھنے والے) ان میں سے ایک ہیں۔ یہ واقعات اور اس طرح کے دوسرے واقعات یہ ظاہر کر رہے تھے کہ پاکستان عالم اسلام کی آنکھوں کا تارا بن رہا ہے اور 'ہوتا ہے جادۂ پیما پھر کارواں ہمارا' کا مصداق۔

پاکستان 1947ء سے 1957 تک

☆ 11 ستمبر 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے وفات پائی اور کراچی میں مدفون ہوئے۔ مسلمانان پاکستان کو یتیمی کا یہ داغ سہنا پڑا۔

☆ دسمبر 1947ء کو کشمیر میں انڈیا نے فوجیں داخل کر دیں اور فوجی قبضہ کرنا چاہا۔ گورنر جنرل پاکستان نے انگریز آرمی چیف پاکستان جنرل گریسی کو حکم دیا کہ فوج کشمیر پر ہوائی حملہ کرے۔ مگر اس نے (اندرون خانہ ملی بھگت اور برطانوی و ہندی مسلم کش پالیسی کے عین مطابق) انکار کر دیا۔ سرحد کے غیور عوام اٹھے اور ملک کے طول و عرض سے مجاہدین آئے اور کشمیر کو آزاد کرالیا۔ قریب تھا کہ سرینگر بھی آزاد ہو جاتا..... ہندو لیڈر شپ مسئلۂ کشمیر کو اقوام متحدہ لے گئی تاکہ بات اٹھائی جائے اور مسلمان کشمیر نہ لے سکیں۔ یو این او..... برطانیہ، فرانس، امریکہ کی غلام ہے وہی کچھ ہوا جو برطانیہ اور امریکہ چاہتے تھے..... ہندو وعدہ کے باوجود کشمیر میں استصواب رائے نہیں کراتا اور امریکہ وغیرہ اقوام متحدہ پر زور نہیں دیتے کہ اسی میں اُن کا بھلا ہے اور

مسلمانوں کی دشمنی کا رازِ مضمر ہے۔(ورنہ تیموریہ کا مسئلہ ہوتو فوراً سب کچھ آناً فاناً ہو جاتا ہے اور آزاد مملکت وجود میں آجاتی ہے۔مغربی دنیا کی یہ بددیانتی کے مظاہر آنے والا مؤرخ ہی صحیح طور پر لکھ سکے گا۔)

☆ قائداعظم کی رحلت کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خان پاکستان کے سربراہ بنے وہ ملک میں جاگیرداری نظام کے خاتمے کے لئے اصلاحات کرنا چاہتے تھے مگر آج کی طرح فیوڈل لالی اتنی مؤثر تھی کہ لاہور سے لینڈ ریکارڈ کی اہم دستاویزات لے کر جانے والا طیارہ بہاولپور کے قریب گر گیا اور یوں یہ باب لمبے عرصے کے لئے بند ہوگیا۔اس سانحے کے پیچھے کس کس کا ہاتھ تھا وہ یہ جنرل ضیاءالحق مرحوم کے طیارہ کی تباہی کی طرح صیغہ راز میں ہے۔

☆ پاکستان کو سب سے پہلے ملک ایران نے تسلیم کیا۔ایران اس وقت آریہ مہر رضا شاہ پہلوی کی حکمرانی میں تھا اور انقلاب ایران (1979ء) تک امریکہ کا پٹھو شمار ہوتا ہے پاکستان کا کسی غیر ملکی سربراہ مملکت کی حیثیت سے پہلا دورہ بھی شاہ ایران نے ہی کیا تھا۔

☆ 1950ء میں نوابزادہ لیاقت علی خان نے امریکہ کا دورہ کیا اور امریکی جال میں آنے کے انکاری ہوگئے اور جیولش کانگریس میں وہ مشہور ہوا کہ

GENTLEMEN OUR SOULE ARE NOT FOR SALE

گویا تھوڑی سی مالی مراعات کے لئے ہم فلسطینیوں کی حمایت چھوڑ کر اسرائیل کی حمایت کر دیں یہ ہمیں منظور نہیں۔

☆ اکتوبر 1951ء میں لیاقت باغ راولپنڈی میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا اور ملزموں کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔

☆ ملک کے لئے اسلامی آئین پر اتفاق رائے کے لئے تمام مسالک کے 31 علماء نے 22 نکات پر اتفاق رائے سے دستاویز حکومت کو دے دی کہ ان خطوط پر آئین پاکستان بنایا جائے تو ہمیں منظور ہوگا۔

☆ 1951ء سے 1957ء حکومتیں تیزی سے بدلتیں رہیں تاہم مارچ 1956ء میں پاکستان کا پہلا متفقہ آئین تیار ہوگیا اور 23 مارچ 1956ء سے نافذ العمل بھی۔اس آئین کو بجا

طور پر اسلامی آئین کہا جا سکتا تھا۔

☆ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں برابری (PARITY) پیدا کرنے کے لئے 1955ء میں مغربی پاکستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو مدغم کر کے وحدت (ONE UNIT) بنا دیا گیا۔ لاہور مغربی پاکستان کا دارالحکومت قرار پایا وحدت کالونی اور وحدت..... اسی دور کی یادگار ہیں۔

پاکستان کا پہلا مارشل لاء 1958ء۔1968ء

آئین پاکستان کو نافذ ہوئے ابھی ایک ہی سال ہوا تھا کہ اسلام دشمن قوتیں بالخصوص امریکہ بہادر کو یہ بات راس نہیں آئی اس نے اس وقت کے فوجی سربراہ کو امریکہ بلایا پیٹھ ٹھونکی، مراعات کا وعدہ کیا۔ ایوب خان نے واپس آ کر اکتوبر 1958ء میں جمہوری حکومت کو ختم کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ پاکستان کی سیہ بختیوں کا آغاز اسی مارشل لاء سے ہوا۔

ایوب خان نے آئین توڑا، مارشل لاء نافذ کیا، 1961ء میں نیا آئین نافذ کیا، الیکشن کرائے، بنیادی جمہوریتوں کا نظام متعارف کرایا۔ امریکی اور عالمی امداد سے بہت سے ترقیاتی کام ہوئے، سندھ طاس کا معاہدہ ہوا جہاں اس حکومت نے راوی، ستلج اور چناب تین دریا بھارت کے ہاتھوں بیچ دیے۔ 1964ء میں الیکشن ہوئے تاہم ایوب خان' مس فاطمہ جناح کے مقابلے دھاندلی سے دوبارہ برسر اقتدار آ گیا۔

☆ پاکستان کی بظاہر ترقی اور امن و امان بھارت کو ایک آنکھ راس نہیں تھا۔ ستمبر 1965ء میں پاکستان پر ایک جنگ مسلط کر دی گئی اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے پاکستان دشمن کے کاری وار سے بچ بھی گیا اور کامیابیاں بھی ہوئی جسے ایوب خان نے عالمی دباؤ میں آ کر تاشقند معاہدہ میں زیرو کر دیا۔ دس سال ایوب خانی حکومت کے اہل کاروں نے ملک کو خوب لوٹا، ڈیفنس i , ii کراچی، گلبرگ لاہور بنا۔ ملک کا دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل ہو گیا۔

دس سال بعد 1968ء میں ایوب خان اپنے اقتدار کا عشرہ ترقیات منا رہا تھا کہ عوام اُٹھ کھڑے ہوئے ایوب خان کو جانا پڑا مگر اس نے اپنے بنائے ہوئے آئین کو دوبارہ توڑا اور

ملک اسمبلی کے بجائے فوجی سربراہ یحیٰی خان کے حوالے کر دیا۔

دوسرا مارشل لاء 1969ء۔1971ء

جنرل یحیٰی خان کے ذریعے ملک پر دوسرا مارشل لاء مسلط کر دیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے حالات خراب تھے، فوجی ایکشن سے مزید خراب ہو گئے۔ 1970ء کے الیکشن غیر جانبدارانہ تھے مگر اس کے نتیجے میں حکومت نہ بن سکی۔ عالمی طاقتوں نے بھارت کے ذریعے پاکستان پر حملہ کر دیا اور مشرقی پاکستان کو علیحدہ کر کے بنگلہ دیش بنا دیا۔ 16 دسمبر 1971ء کو سقوط ڈھاکہ ہوا اواخر دسمبر 71ء میں یحیٰی خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو ملک کا اقتدار دے کر خود علیحدگی اختیار کر لی۔

ذوالفقار علی بھٹو کا جمہوری دور 1972ء.................. 1977ء

ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو ملکی حالات بہتر دگر گوں تھے۔ عالمی رائے عامہ بھی پاکستان کے خلاف تھی اور سقوط ڈھاکہ کی وجہ سے عوام کا حوصلہ (MORALE) بہت پست تھا۔ مشرقی پاکستان سے 92 ہزار قیدی بھارت میں تھے۔ بھٹو نے ملک میں امن وامان قائم کیا، عوام کو حوصلہ دیا، اندرا گاندھی سے مذاکرات کر کے قیدی رہا کرائے۔ اگست 1973ء میں ملک میں متفقہ نیا آئین بن کر نافذ ہوا یہ آئین بھی بہت حد تک اسلامی مزاج کا تھا۔ تاہم اس میں ترامیم کے ذریعے (اور فوجی حکومت کے ذریعے) اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا۔

پاکستان میں ایٹمی پروگرام کا آغاز ہوا۔ فروری 1974ء میں دوسری عالمی سربراہی کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی جس سے مسلمان عوام کو پھر سے جوش وجذبہ میسر آیا۔

1977ء الیکشن ہوئے مگر دھاندلی کی وجہ سے عوام سڑکوں پر آ گئے اور اپوزیشن نے پاکستان قومی اتحاد کے نام سے نظام مصطفیٰؐ کا نعرہ لگا کر تحریک چلائی جو کامیاب رہی جس کے نتیجے میں بھٹو کی حکومت کامیاب ہو گئی مگر ————— بدقسمتی سے ملک میں جولائی 1977ء میں جنرل ضیاء الحق نے تیسرا مارشل لاء نافذ کر دیا۔

جولائی 1977ء۔اگست 1988ء تیسرا مارشل لاء

جنرل ضیاء الحق نے حکومت سنبھالی بھٹو پر مقدمہ چلا کر اس کو اپریل 1979ء میں پھانسی دے دی گئی۔ ضیاء حکومت نے کچھ اسلامی اصلاحات کیں شریعت کورٹس بنیں۔ 1979ء میں افغانستان پر روس نے حملہ کر دیا تھا جس سے ملک میں ایمرجنسی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی' لاکھوں افغانستان مہاجرین پاکستان آ گئے' امریکہ نے پاکستان کو روس کے مقابلے کے لئے آگے کیا' جہاد کے نام پر افغانستان میں جہادی گروپ بنے اور بالآخر روس افغانستان میں شکست کھا کر رخصت ہوگیا۔ پاکستان کی کوششوں کو امریکہ اور عالم اسلام میں خوب عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

اسی دور میں ضیاء حکومت کشمیر میں جہادی سرگرمیاں شروع کیں جس سے دنیا میں بھارت کے ساتھ پاکستان کا دیرینہ مسئلہ، مسئلہ کشمیر از سر نو زندہ ہو کر یو این او اور عالمی طاقتوں کی نگاہ میں آ گیا۔

1985ء میں ضیاء نے الیکشن کرائے اور سول حکومت بنائی تاہم جلد ہی جونیجو صاحب کی حکومت کو ختم کر دیا گیا۔ اگست 1988ء میں جنرل ضیاء الحق طیارے کے ایک حادثے میں بہاولپور کے قریب شہید ہوئے۔

1988ء۔ اکتوبر 1999ء جمہوری دور

1988ء میں جنرل ضیاء الحق کی شہادت کے بعد عبوری حکومت بنی، الیکشن ہوئے پی پی پی جیت گئی اور بے نظیر وزیر اعظم بن گئیں۔ دو سال بعد ہی یہ حکومت ختم ہوگئی۔ 1987ء میں روس افغانستان سے چلا گیا اور اقتدار جہادی گروپس کے ہاتھ میں آ گیا تاہم وہ اس ملک کو مناسب انداز میں چلا نہ سکے۔ پاکستان میں دوبارہ عبوری الیکشن ہوئے جس میں مسلم لیگ جیت گئی اور نواز شریف نے حکومت بنائی۔

1993ء میں نواز شریف حکومت کو ختم کر دیا گیا اور الیکشن کے بعد بے نظیر دوبارہ وزیر اعظم بن گئیں۔ پاکستان کے حالات کے پیچھے کوئی ایسی طاقت تھی جو یہاں جمہوری حکومتوں کو چلنے نہیں دیتی تھی اور امن و امان کے ترقی کی راہ پر گامزن نہیں دیکھ سکتی تھی حالات کو جلد ہی دوبارہ بگاڑ کر پاکستان غیر مستحکم کیا جا رہا تھا۔ 1997ء میں بے نظیر حکومت ختم ہوگئی۔ الیکشن ہوئے اور نواز شریف صاحب جیت گئے اور دوبارہ وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔

نواز شریف نے مئی 1998ء میں امریکی دباؤ کے علی الرغم ایٹمی دھماکہ کر کے پاکستان کو ایٹمی ممالک کی صف میں شامل کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کی خوب پذیرائی ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر اور ان کی ٹیم کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے پاکستان اسلامی دنیا کی پہلی اور عالمی سطح پر ساتویں ایٹمی طاقت بنا دیا۔

اکتوبر 1999ء میں جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

پاکستان کے پڑوسی ممالک

پاکستان کے پڑوس میں شمال میں جمہوریہ چین، مغرب میں افغانستان اور ایران، مشرق میں بھارت اور جنوب میں بحیرہ عرب ہے۔

1947ء تک چین برطانوی مظالم کا منہ بولتا ثبوت تھا اور سامراجی اثرات سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماؤزے ننگ کی قیادت میں 1949ء میں چین میں انقلاب آ گیا اور سوشلسٹ نظریات کے تحت نئے دور کا آغاز ہو گیا، چین ماضی بعید کے زمانے سے ہی بہت بڑا ملک رہا ہے اور اس کے تجارتی روابط مشرق وسطی اور یورپی ممالک سے رہے ہیں۔ چین کا مشرق وسطی سے قریب ترین اور مختصر رابطہ خوش قسمتی سے پاکستان سے ہو کر گزرتا ہے لہٰذا پاک چین تعلقات ماضی میں بھی اور حال میں بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ شاہراہ پہلے شاہراہ ریشم (SILK ROUTE) کہلاتی تھی اور اب جدید طرز پر تعمیر ہو جانے اور پوری ٹریفک کے لئے کھل جانے کے باعث شاہراہ قراقرم کہلاتی ہے۔

دوسرا قریبی ملک افغانستان ہے۔ افغانستان ایک مسلمان ملک ہے اور ایک صدیاں پہلے تک افغانستان اور برطانوی ہند کے مسلمانوں کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ جدوجہد آزادی میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے افغانستان ہی ہجرت کا منصوبہ بنایا تھا۔ تاہم روس کے سوشلسٹ انقلاب 1917ء کے بعد افغانستان ہی سوشلسٹ اثر و رسوخ بڑھ گیا اور وہاں کے حکمرانوں (طاہر شاہ کے بعد) نے پاکستان پر روسی نقطہ نظر سے دباؤ بڑھانے کی کوشش کی۔

روس USSR ایسا ملک تھا جس کو ایسا سمندر اور بندرگاہیں میسر تھیں جہاں برف جمتی

ہے اور سال میں نو ماہ یہ بندرگاہیں جہاز رانی کے قابل نہیں ہوتیں۔ لہٰذا دنیا کے نقشے کو دیکھ کر روس کا یہ اولین منصوبہ تھا کہ افغانستان پر قبضہ کر کے بلوچستان کے راستے بحیرۂ عرب کے گرم پانیوں تک رسائی حاصل کی جائے۔ بحیرہ عرب کی ہماری بندرگاہیں سال بھر تجارت کے لئے کام کرتی ہیں۔ روس کے اس جارحانہ منصوبے کے پیش نظر ہی بھارت نے اپنے مغرب میں پاکستان قبول کر لیا تھا کہ اس طرح روس کا سارا دباؤ پاکستان کو برداشت کرنا پڑے گا۔

اسی لئے پاکستان جب آزادی کے بعد UNO کا ممبر بننے لگا تو افغانستان واحد ملک تھا جس نے روس زیر اثر پاکستان کی ممبر شپ کی مخالفت کی تھی۔ تاہم بعد میں 1971ء میں داؤد حکومت آ گئی اور روس کے زیر اثر یہ حکومتیں بدلتی رہیں۔ تا آنکہ 1979ء میں روس بہ نفس نفیس خود افغانستان میں داخل ہو گیا۔ ان سالوں میں پاکستان واقعی بہت دباؤ میں تھا اور روس کے پروردہ سیاستدان، ادیب اور شاعر بہت پر امید تھے کہ پاکستان روس کے آگے لیٹ جائے گا تاہم قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ 1989ء میں روس افغانستان سے واپس چلا گیا اور جلد ہی USSR خود ہی ختم ہو گیا اور اس میں شامل ساری ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ جن میں اکثر ریاستیں مسلمان ہیں۔ اس طرح پاکستان بچ گیا اور روس کا گرم پانیوں تک پہنچنے کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

پاکستان کا تیسرا پڑوسی ایران ہے۔ ایران مسلمانوں کی ایک پرانی عقائد کی تقسیم کے لحاظ سے شیعہ نظریات کا حامل ملک ہے۔ پاکستان کے قیام کے وقت ایران کا بادشاہ رضا شاہ پہلوی امریکہ کا ایجنٹ اور علاقے میں امریکہ POLICEMAN شمار ہوتا تھا۔ ایران پہلا ملک ہے جس نے پاکستان تسلیم کیا اور شاہ ایران پہلا غیر ملکی سربراہ ہے جس نے پاکستان کا دورہ کیا اور پاکستان کو امریکی جال میں پھنسانے کا سہرا بھی شاہ ایران کو جاتا ہے۔ ایران اس لئے نہیں لکھ رہے کہ اہل ایران نے شاہ ایران کے خلاف تحریک چلا کر اس سے نجات حاصل کر لی۔ 1979ء کے انقلاب کے بعد وہاں کی حکومت عام طور پر امریکہ مخالف ہی ہے۔ پاکستان کے عوام اپنے عقائد کے مطابق ابھی اسلامی انقلاب کو ترس رہے ہیں جبکہ ہمارے ایرانی بھائیوں نے اپنے نظریات کے مطابق ایران میں آج سے ایک تہائی صدی قبل انقلاب لا کر سبقت حاصل کر لی۔

پاکستان کا سب سے اہم پڑوسی بھارت ہے۔ برطانوی ہند میں بھارت اور پاکستان

یکجا تھے۔ بھارت کی خواہش اور مذہبی روایات تھیں کہ بھارت کو یکجا رہنا چاہیے۔ عالمی استعمار صہیونیت اور برطانیہ بھی ہندکو اکٹھا رکھنا چاہتے تھے تاکہ جمہوری انداز میں مسلمانوں کو کچلنا آسان ہوجائے۔تاہم حالات سامنے ہیں اور ہم سابقہ مضمون میں لکھ بھی چکے ہیں کہ برطانوی انٹیلی جنس نے تسلیم کیا کہ تاج برطانیہ کی خواہش کے باوجود ایک مسلمان شاعر اقبال کی شاعری کی وجہ سے ملک تقسیم کرنا پڑا۔ بھارت نے پاکستان کے وجود کو آج تک ذہناً اور قلباً تسلیم نہیں کیا اور اس کی چھ عشروں کی سیاست پاکستان کو ختم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

بھارت اور اس کے سرپرست (صہیونی آقاؤں کو) یہی ہضم نہیں ہورہا کہ 711ء میں طارق بن زیادؒ نے سپین کا علاقہ فتح کیا اور وہاں مسلمانوں کی حکومت بنائی، 800 سال حکومت رہی مگر 1492ء میں وہاں مسلم اقتدار ختم ہوگیا اور اب وہاں مسلمانوں کا نام ونشان نہیں ہے۔

عین اسی سال 711ء میں ہی محمد بن قاسم سندھ (و ہند) داخل ہوا تھا علاقہ فتح کیا۔ مسلمانوں نے حکومت بنائی جو 1857ء تک قائم رہی اور برطانوی سامراج کے خاتمہ کے بعد پاکستان بن گیا اور مسلمان جنوبی ہند میں آج تک موجود ہیں بلکہ پاکستان ایک ایٹمی طاقت بھی ہے۔ بھارت نے باقاعدہ 1960ء کے عشرے میں سردار سورن سنگھ کی قیادت میں ایک وفد سپین بھیجا تھا کہ وہاں مطالعہ کرکے تجاویز پیش کرے کہ وہاں مسلمانوں کو کیسے ختم کیا گیا۔ یہ خیال صرف ہندو کا نہیں تھا یہ دراصل عزائم صہیونی لابی کے ہیں جو ابھی شرمندہ تکمیل ہیں۔

تاریخی تسلسل 20 صدی عیسوی میں عالمی حالات

بیسویں صدی عیسوی تاریخ عالم کے میں حالات واقعات کے بہاؤ اور تسلسل کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ 1901ء سے 2000ء کے درمیان کئی تاریخی اہم واقعات رونما ہوئے۔ پہلی جنگ عظیم 1914ء۔1918ء اور دوسری جنگ عظیم 1939ء۔1945ء تاریخ انسانی کی بڑی اور اہم جنگیں ہیں جن میں دونوں فریقوں کے پیچھے ایک ہی لابی صہیونی لابی کارفرما تھی اور یوں یہ PREPLANNED اور ENGINEERED جنگیں تھیں جن میں اصل فائدہ اسلحہ فروخت کرنے والے ممالک اور صہیونی آلہ کاروں کا ہوا اور انہیں کے مقاصد پورے ہوئے۔

اسی صدی میں 1917ء۔1929ء کے دوران ایک عظیم مسلمان طاقت عثمانی سلطنت ختم ہوگئی۔ 1947ء میں پاکستان کی آزادی سے شروع ہو کر 1980ء تک برطانیہ کے تمام مقبوضات اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور برطانیہ کی حکومت صرف برطانیہ کے بھی ایک حصے پر باقی رہ گئی۔ آئرلینڈ کے باشندے گزشتہ نصف صدی سے زائد سے برطانیہ کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے۔ گویا وہ عظیم برطانوی سلطنت جس میں 1940ء تک سورج غروب نہیں ہوتا تھا وہ اس صدی کے اواخر میں خود ہی ڈوب گئی۔ اب بھی اگر صہیونی عزائم اور منصوبوں کے تحت تاج برطانیہ کا تحفظ امریکہ نہ کرے تو شاید برطانوی سلطنت کا نام ونشان ہی مٹ جائے۔

☆ اسی صدی میں 1990ء میں افغانستان میں شکست فاش کے بعد USSR تحلیل ہوکر آزاد ریاستوں میں تبدیل ہوگیا اور یوں عالمی سطح پر دو سپر طاقتوں کی بجائے صرف ایک سپر پاور امریکہ (USA) رہ گیا جو اس کے بعد سے فرعون وقت بن گیا ہے اور خدائی لہجہ میں بات کر رہا ہے۔

☆ اسی صدی میں جمہوری حکومتوں کا فروغ ہوا اور الیکشن ممبری، جمہوریت اسمبلی اور حکومتوں کا تصور عام ہوا۔

☆ اسی صدی میں دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے کے لئے صہیونی لابی نے برطانیہ سے بالفور ڈیکلریشن جاری کرایا پھر وہاں فلسطین میں زمینیں خریدنے کی اجازت لی اور بعدازاں مقامی آبادی کو ختم کر کے اسرائیل قائم کرلیا۔

اسرائیل کا قیام

دنیا بھر کے یہودیوں نے ایک صد سالہ منصوبے کے تحت 1897ء۔ 1997ء سو سال میں جدوجہد کر کے عالمی طاقتوں کے ذریعے مشرق وسطی میں پروشلم میں اسرائیل نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر لی۔ یہ ریاست مئی 1948ء میں قائم ہوئی۔ یہودیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد متحدہ ہند کو آزاد کریں گے تو برصغیر کے مسلمان جمہوری فضا میں ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر ہوں گے صرف ترکی بڑا آزاد ملک ہوگا اس کو یورپی یونین میں رکھ کر ہضم کرلیں گے اور یوں مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے مگر قدرت نے 1947ء میں نہ صرف صہیونی عزائم کے خلاف پاکستان بنوا دیا بلکہ اس کو عالم اسلام کی امیدوں کا گہوارہ بنا دیا۔ 1948ء اور

1949ء کے یوم آزادی پر 30 ممالک کے وفود کی شرکت نے امریکہ برطانیہ اور یہود کی نیندیں حرام کر دیں۔ وہ دن اور آج کا دن ساری دنیا کے یہودی اور ان کے زبردست تنظیمیں اور ان کے ایجنٹ پاکستان پر حملہ آور ہیں بظاہر ہمیں یہ حملہ اکتوبر 2000ء میں افغانستان پر حملہ کے موقع پر محسوس ہوا اور صہیونی اور امریکی ''دست غیب'' کی کارستانیاں تلاش کریں تو یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہوگی کہ پاکستان کی عالم اسباب کی بہت ساری پریشانیوں کا سبب یہ امریکی دوستی کی آڑ میں دشمنی کے منصوبے ہیں اور آج ہم عملاً امریکہ کے غلام بن چکے ہیں۔

امت مسلمہ کی کامیابیاں

اس مایوسی کی فضا میں حالات کا مثبت اور روشن پہلو دیکھیں تو ایک روشن باب یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں سارے عالم اسلام کے مغربی تسلط میں چلے جانے کے ماحول میں 1947ء میں تقسیم سے پاکستان ایک اسلامی سلطنت بن کر اُبھرا اور اس کے بعد جیسے کوئی مالا ٹوٹتی ہے اور اس کے دانے تیزی سے گرتے ہیں عالم اسلام کے ممالک آزاد ہوتے چلے گئے اور آج 60 کے لگ بھگ آزاد مسلمان ممالک ہیں۔

قوموں کی زندگی میں نصف صدی کوئی لمبی مدت نہیں ہے اس میں عالم اسلام کی مغربی سامراجی قوتوں سے آزادی حاصل کر لینا ہی ایک معجزے سے کم نہیں۔ ذیل میں ہم مسلمان ممالک کے نام اور تاریخ آزادی کا گوشوارہ شائع کر رہے ہیں تاکہ یاد رکھنے میں آسانی ہو۔

دنیائے اسلام.....ایک نظر میں

نمبر شمار	نام ملک	آبادی (ملین میں)	رقبہ مربع کلومیٹر (ہزار میں)	آزادی کا دن یا سال
1	لبنان	2.80	10.40	22 نومبر 1943ء
2	شام	13.7	185	یکم جنوری 1944ء
3	البانیہ	2.5	28	1944ء
4	انڈونیشیا	191.7	1905	17 اگست 1945ء

5	اُردن	4.9	98	25 مئی 1946ء
6	پاکستان	132.9	796	14 اگست 1947ء
7	عمان	2.0	212	20 اکتوبر 1951ء
8	لیبیا	5.0	1759	24 دسمبر 1951ء
9	ایتھوپیا	33.0	1780	1952ء
10	مصر	60.3	1001	1952ء
11	سوڈان	26.6	2506	یکم جنوری 1956
12	تیونس	8.6	164	20 ستمبر 1956ء
13	ملائیشیا	19.2	330	31 اگست 1957ء
14	مراکش	26.0	447	2 مارچ 1956ء
15	عراق	19.5	438	جولائی 1958ء
16	گنی	6.3	246	2 اکتوبر 1958ء
17	صومالیہ	9.0	638	یکم جنوری 1950ء
18	کیمبرون	12.5	475	یکم جنوری 1950ء
19	ٹوگو	2.8	56	27 اپریل 1960ء
20	بینن	5.1	113	یکم اگست 1960ء
21	برکینا فاسو	9.8	174	5 اگست 1960ء
22	نائیجر	8.8	1267	3 اگست 1960ء
23	آیوری کوسٹ	9.29	319	7 اگست 1960ء
24	چاڈ	6.0	1284	11 اگست 1960ء
25	وسطی افریقہ	9.5	626	13 اگست 1960ء

26	کیبون	1.2	268	17اگست1960ء
27	سینی گال	7.9	197	20اگست1960ء
28	مالی	10.1	1240	22ستمبر1960ء
29	نائیجریا	105.3	924	یکم اکتوبر1960ء
30	مریطانیہ	2.2	1026	28نومبر1960ء
31	سیرالیون	4.3	72	27اپریل1961ء
32	کویت	1.8	18	19جون1961ء
33	تنزانیہ	28.0	945	9دسمبر1961ء
34	الجزائر	26.7	2382	5جولائی1962ء
35	یوگنڈا	19.9	241	9اکتوبر1062ء
36	گیمبیا	1.0	11	18فروری1965ء
37	مالدیپ	0.2	0.3	26جولائی1965ء
38	یمن	16.0	527	30نومبر1967ء
39	بنگلہ دیش	115.2	114	26مارچ1971ء
40	موزمبیق	15.1	802	25جون1971ء
41	بحرین	0.5	0.68	15اگست1971ء
42	متحدہ عرب امارت	21.8	84	2دسمبر1971ء
43	قطر	0.5	11.0	3دسمبر1971ء
44	گنی بساؤ	1.0	36	10ستمبر1974ء
45	کمورو	0.6	2.23	6جولائی1975ء
46	جبوتی	0.6	23.2	27جون1977ء

47	ایران	64.2	1633	1979ء
48	برونائی دارالسلام	0.33	5.8	یکم جنوری1984ء
49	قازقستان	17	2717	16اگست1991ء
50	تاجکستان	5.8	143	26اگست1991ء
51	آذربائجان	7.4	87	30اگست1991ء
52	کرغستان	4.6	198	31اگست1991ء
53	ازبکستان	21.9	447	31اگست1991ء
54	ترکمانستان	3.9	488	26اکتوبر1991ء
55	یوسینیاہرزیگوینیا	3.5	51	دسمبر1991ء

اس کے علاوہ افغانستان (17.7 ملین) سعودی عرب (171 ملین) ترکی (59.6 ملین) پہلے سے آزاد ممالک تھے۔ان آزاد ممالک کے علاوہ مسلمان دنیا بھر کے کئی ممالک میں بطور اقلیت موجود ہیں اور آزادی کے منتظر ہیں۔ان کی تفصیل یہ ہے:

مسلم اقلیتیں۔مختلف ممالک میں

نمبر شمار	نام ملک	کل آبادی	مسلم آبادی
01	آسٹریلیا	2 کروڑ	3لاکھ
02	اٹلی	5 کروڑ،70لاکھ	8لاکھ
03	ارجنٹائن	3 کروڑ،70لاکھ	7لاکھ
04	اسپین	4 کروڑ	2لاکھ
05	امریکہ	27 کروڑ۔30لاکھ	80لاکھ
06	برطانیہ	5 کروڑ۔95لاکھ	35لاکھ
07	برما(مینمار)	4 کروڑ۔80لاکھ	36لاکھ

08	بلغاریہ	83لاکھ	14لاکھ
09	بھارت	ایک ارب۔10لاکھ	18 کروڑ
10	بلجیم	ایک کروڑ۔5لاکھ	ڈھائی لاکھ
11	تائیوان	2 کروڑ۔20لاکھ	2لاکھ
12	تھائی لینڈ	6 کروڑ۔5لاکھ	26لاکھ
13	ٹرینداداورٹوباگو	11لاکھ	2لاکھ
14	جاپان	12 کروڑ۔70لاکھ	3لاکھ
15	جارجیا	51لاکھ	12لاکھ
16	جرمنی	8 کروڑ۔20لاکھ	15لاکھ
17	جنوبی افریقہ	4 کروڑ۔35لاکھ	ایک لاکھ
18	چین	ایک ارب۔25 کروڑ	بارہ کروڑ
19	روس	15 کروڑ	40لاکھ
20	زمبیا	95لاکھ	30لاکھ
21	سری لنکا	ایک کروڑ۔95لاکھ	15لاکھ
22	سنگاپور	35لاکھ	6لاکھ
23	فرانس	5 کروڑ۔95لاکھ	30لاکھ
24	فلپائن	7 کروڑ۔90لاکھ	60لاکھ
25	کانگو	5 کروڑ	50لاکھ
26	کینیا	2 کروڑ۔90لاکھ	55لاکھ
27	کینیڈا	3 کروڑ	10لاکھ
28	لائبیریا	28لاکھ	7لاکھ

29	ماریشس	25لاکھ	2لاکھ
30	مڈغاسکر	ایک کروڑ۔50لاکھ	18لاکھ
31	مقدونیہ	21لاکھ	7لاکھ
32	ملاوی	ایک کروڑ	21لاکھ
33	نیپال	2 کروڑ۔40لاکھ	7لاکھ
34	ویت نام	7 کروڑ۔60لاکھ	4لاکھ
35	ہالینڈ	ایک کروڑ۔60لاکھ	4لاکھ
36	یوگنڈا	2 کروڑ۔25لاکھ	45لاکھ
37	یوگوسلاویہ	ایک کروڑ۔5لاکھ	22لاکھ
38	یونان	ایک کروڑ۔8لاکھ	4لاکھ

(یہ اعداد وشمار ''شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' سے اخذ گئے ہیں)

حرف آخر

عالم اسلام کی کامیابیوں کے ضمن میں پیش رفت اور ناکامیوں میں اضافہ کا ملا جلا احساس ہے جو گزشتہ نصف صدی سے ہمارے ہاں بیک وقت موجود ہے۔آئندہ حالات کا رُخ کیا ہے اس سے متعلق گفتگو ان شاءاللہ اگلے شمارے میں کریں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

میجر (ر) فتح محمد (جھنگ)

آج کے نام نہاد جمہوری اور مکمل سیکولر دور میں دینی مآثر کے نقوش رفتہ رفتہ مدھم ہو رہے ہیں، اشخاص سے لے کر علمی نظریات کو گھن لگ رہا ہے۔ وقت کا تقاضا اور سیاسی نظام کا قدرتی نتیجہ ہے جس کو بدلنے میں کوئی مزاحمت سودمند نہیں ہوسکتی۔ اگر ہم اپنے معتقدات اور ان کے سرچشموں پر ماحول کو اثر انداز ہونے کی اجازت دیتے رہے اور ہم نے اپنے بزرگوں کی دینی خدمات کا تحفظ نہ کیا، اپنی بے حسی کی بدولت اپنے مشاہیر کو فراموش کر بیٹھے تو یہ اُمت مسلمہ کے لئے بہت بڑا نقصان ہوگا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے دلوں سے قرآنی علوم کی اہمیت کم ہوتی جارہی ہے۔ پچھلے 40 سال کے دوران ایک بے داغ علمی شخصیت محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے بھرپور کوشش کی کہ یہ مسلمان قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھے تاکہ باطنی ارتداد سے نجات پاسکے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ دور حاضرہ کے عظیم مفسر قرآن اور دینی پیشوا تھے، عقلی اور فکری اعتبار سے ان کا مقام بہت بلند تھا، وہ انتہائی بے لوث اور نڈر تھے، ان کے اندر مجتہدانہ بصیرت، معاملہ فہمی، اصابت رائے اور قوت فیصلے کی بے پناہ طاقت تھی۔ معاملہ کیسا ہی معمولی یا غیر معمولی ہو اس پر پوری توجہ دینا اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اس کا حل نکالنا آپ کی عادت میں شامل تھا۔ کوئی مسئلہ خواہ سیاسی ہو یا قومی اور بین الاقوامی آپؒ کی دسترس سے باہر نہ تھا۔ قرآن حکیم کے ساتھ جو اُنس ڈاکٹر صاحب کو عطا ہوا تھا وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نہایت ذکی،

سمجھدار، مستقل مزاج، عالی حوصلہ اور معاملہ فہم تھے۔تحریر اور تقریر کے میدان میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، حق گوئی ان کا مشغلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال کے اخلاق فاضلہ عطا فرمائے تھے۔گو آپ عملی سیاست سے دور تھے تاہم دریائے سیاست کے بہترین شناور تھے، آپ کا دامن تدبر فی القرآن کے انمول موتیوں سے بھرا رہتا تھا، ہر معاملہ کی گہرائی اور آخری تہ تک پہنچنا آپ کی ذکاوت کا ہمیشہ سے شاہکار رہا تھا۔شہرت طلبی اور نام ونمود کی خواہش کی ہوا بھی آپ کے پاس سے ہو کر نہیں گزری تھی فروتنی اور تواضع میں آپؒ آسمان تقویٰ کے چمکتے ہوئے ستارے تھے۔باوجود اعلیٰ قابلیتوں کے آپؒ نے ساری زندگی یکسوئی میں گزار دی۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد اپنے سامنے رکھتے ہیں اور اپنی زندگی اس مقصد کی تکمیل کے لئے صرف کر ڈالتے ہیں۔آپؒ نے اپنی حیات مستعار کا واحد مقصد قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس کو قرار دیا تھا۔لاہور منتقل ہوئے اور اپنی بقیہ زندگی خدمت قرآن میں بسر کر دی۔احقر نے 1982ء میں پی ٹی وی پر ڈاکٹر صاحب کے دروس سنے۔ ہمارے فوجی افسرز میس میں ڈاکٹر صاحب کے پروگرام ''الہدیٰ'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی تھی۔آپؒ سوالات کے جوابات بھی دیتے اور ناظرین کے دلوں میں گھر لیا کرتے۔آپؒ نے کھل کر سود کے حرام ہونے پر بات کی۔ شرعی پردہ کے بارے میں قرآنی احکام بلا جھجک بیان فرمائے پی ٹی وی جیسے سرکاری چینل پر یہ وضاحت فرمائی کہ قومی پرچم کے احترام میں کھڑا ہونا اسے سلامی دینا اور قومی ترانہ کے احترام میں کھڑے ہونا خلاف شرع ہے۔مخلوط اجتماعات اور مخلوط طرز تعلیم کی بھرپور مخالفت کی۔ 80ء کی دہائی کے آغاز پر کرکٹ کا کھیل ہر دلعزیز ہو رہا تھا جب ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کھیل کی کھل کر مخالفت کی اور قرار دیا کہ کرکٹ کے میدان ہماری قومی غیرت اور حمیت کی جنازہ گاہ بنتے جا رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ سے اپنے اُصولی موقف کی وجہ سے مستعفی ہوئے اور یوں دنیاوی مفاد کو ٹھوکر مار دی۔آپؒ پرعزم انسان تھے اور اپنے اُصولی موقف میں کبھی لچک پیدا نہ کی۔

موت انسانی زندگی کا وہ مرحلہ ہے جہاں پر انسان قدرت الٰہی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں سے کسی کو بھی مفر نہیں ہوتا، دنیا کے جلیل القدر انسانوں پیغمبروں علیہم السلام، صحابہ کرام ﷺ اور ائمہ کرام کو موت کی آغوش میں جانا پڑا۔ ڈاکٹر اسرار

احمد صاحب نے اس پیغام حق کو..... 14/اپریل 2010ء کی علی الصبح لبیک کہا۔ یقیناً ایک عظیم سانحہ ہے۔آپؒ کی ہستی انسانوں کی دنیا وعقبیٰ کے لئے ایک مشعل راہ تھی جو بجھ گئی،علم وعمل کا ایک آفتاب غروب ہوگیا،قرآن حکیم اور دین ومذہب کا ایک مجسم پیغام تھا جو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا،حق ومعرفت کی ایک گرجدار آواز تھی جواب کبھی نہیں سنی جا سکے گی،ایک داعیٔ قرآن تھا جو رخصت ہوگیا،اسلام کا ایک علم بردار تھا جو آج ہم سے جدا ہوگیا۔ڈاکٹر صاحب کی زندگی ملک و ملت کے لئے ایک عظیم سرمایہ تھی۔آپؒ نے اپنی داعیانہ زندگی ایک ان تھک سالار کی حیثیت سے گزاری اپنی تمام بےلوثی کے ساتھ خدمت قرآن کا فریضہ انجام دیا،بلاشعبہ ڈاکٹر صاحبؒ کا ہر قدم اور ہر فعل تعلیمات قرآنی کا آئینہ دار ہوتا تھا،آپؒ ایک فقیدالمثال عالم دین تھے ڈاکٹر صاحبؒ ان صالحین میں تھے جن کا کردار ہر اعتبار سے مثالی تھا،وہ مدرس قرآن تھے اور ہزاروں شاگردوں کو قرآن کی تعلیم دی۔آج ہم ایسے دور میں رہ رہے ہیں جب ایک نسل اپنے متقدمین سے قطع تعلق کر رہی ہے اور تہذیب کی ان اعلیٰ قدروں کو روند رہی ہے جو دراصل انسانیت اور تمدن کے ارتقاء کی روح رواں ہیں۔ایسے زمانے میں ڈاکٹر صاحبؒ کا اُٹھ جانا بہت بڑا صدمہ ہے۔ان کی موجودگی نئی نسل کو قرآنی تعلیمات کی تعلیم وتربیت کے لئے ضروری تھی لیکن اللہ کی مصلحتیں اللہ ہی جانے۔انسان یہاں بےبس اور لاچار ہے اور سوائے دعا کرنے کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب کی موت ایک ایسی موت ہے جس پر تعزیت کے لئے الفاظ احقر کے پاس موجود نہیں ہیں۔درحقیقت خدام القرآن کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔موت ایک حقیقت ابدی ہے۔جس نے بھی وجود کا جامہ پہنا ہے۔یہ جامہ ایک نہ ایک دن چاک ہو کر رہے گا۔البتہ کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی جدائی کا صدمہ ان کے گھر والوں سے زیادہ دوسروں کو ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسوں کی زندگی،زندگی اور موت موت ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحبؒ کی یادگار اسی صورت میں قائم کی جاسکتی ہے کہ ان کے مقصد اور مشن کو سمجھا جائے اس پر عمل کیا جائے اور اس کو آگے بڑھایا جائے۔اسی ایک بات میں ڈاکٹر صاحبؒ سے ہمارے تعلق اور محبت کی آزمائش ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

قرآن اکیڈمی جھنگ میں ایک دن

عطاء الرحمن عارف

تاریخی شہر: وسطی پنجاب میں جھنگ ایک اہم مقام ہے جو دو دریاؤں چناب اور جہلم کے سنگم کے قریب دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔اس کی آبادی تقریباً چار لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ لوک داستانوں سے لے کر مغلیہ دور کے شہنشاہوں کی راہ گزر کے طور پر استعمال ہونے والے اس علاقہ میں ضلع کا قیام 1865ء میں عمل میں آیا۔شہاب نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ فیصل آباد (قدیم لائل پور) بھی قیام پاکستان سے قبل اور آغاز میں ضلع جھنگ کی ایک تحصیل ہوتی تھی (جبکہ آج جھنگ ضلع فیصل آباد ڈویژن میں شامل ہے) اگرچہ پاکستانی سیاست کے بڑے بڑے نام اس علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر یہ علاقہ تا حال پس ماندہ ہے اور یہاں تعلیم، صحت، معاش و کاروبار کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔

قرآن اکیڈمی: اس تمام پس منظر میں اس مقام پر انجمن خدام القرآن جھنگ کو یہ منفرد اعزاز ملا ہے کہ اس شہر میں اس کے زیر اہتمام ایک قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جہاں سے قرآن کریم کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ یہاں پر عربی گرائمر، تجوید، حدیث کے مسلسل کورسز کے علاوہ سال میں تین مرتبہ گرمیوں کی تعطیلات میں پچیس روزہ اقامتی کورسز کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں تمام ملک سے آنے والے طلباء کو تیس کے گروپ میں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ یہ کورسز جون، جولائی اور اگست کے مہینے میں منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔اب اگست میں رمضان المبارک کی وجہ سے ماہِ مئی میں بھی منعقد کیا جا رہا ہے۔ تمام طلباء کو رہائش، طعام، ٹرانسپورٹ اور تعلیم کی تمام سہولیات مفت فراہم کی جاتی ہیں۔اس مقصد کے لئے اس اکیڈمی کی انتظامیہ، ذمہ داران اور عملہ مبارکباد کا مستحق ہے جو مختار حسین فاروقی صاحب اور دیگر ذمہ

داران کی رہنمائی میں مصروف خدمت ہے۔ یہاں انجمن خدام القرآن جھنگ مئی 2002ء میں رجسٹرڈ ہوئی تھی اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اس خواب کی تکمیل کی طرف پیش رفت ہوئی کہ پورے ملک میں اس طرز پر اکیڈمیز کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جھنگ میں اس اکیڈمی کے سرپرست محترم مختار فاروقی صاحب نے زمین حاصل کرنے کے بعد اس کی تعمیر آغاز مارچ 2003ء میں کیا۔ اکیڈمی میں عمومی کلاسز کا آغاز 2004ء میں ہو گیا تھا کہ اقامتی کورسز 2003ء سے کامیابی کے ساتھ جاری ہیں۔ اس اکیڈمی کی عمارت کے قیام کے بعد سے اس سال تک کل 21 کورسز کا انعقاد ہو چکا ہے۔ یہ جگہ وسط شہر سے 5 کلومیٹر دور ٹوبہ روڈ پر واقع لالہ زار سوسائٹی میں موجود ہے۔ اس اکیڈمی کی پرشکوہ عمارت دور سے ہی آنے والے کو اپنے احاطہ اثر میں گرفتار کر لیتی ہے اس کا اسلامی طرز تعمیر دیگر عمارات سے منفرد ہے۔ اکیڈمی کا بیرونی ماحول سرسبز و شادات ہے جو کہ صحت افزا اور اندرونی عمارت میں خوبصورت مسجد، نادر و نایاب کتب سے مزین لائبریری، پرسکون مطالعہ گاہ، تحقیقی کام کے لئے کمپیوٹر روم، وسیع آڈیٹوریم، آرام دہ رہائش گاہیں، بہترین طعام گاہ، محفوظ پارکنگ اور مستعد استقبالیہ موجودہ ہے جو آنے والے کو اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ ذمہ داران کے حسن انتظام کی داد دی جائے۔

یہاں آنے والے طلباء کو پچیس روز میں صرف تجوید، عربی گرائمر، حدیث، تاریخ اسلام، تاریخ پاکستان اور ترجمہ قرآن سے ہی نہیں گزارا جاتا بلکہ ان کے اندر نظم وضبط، پابندی وقت، حسن سلوک، ایثار و قربانی، اسلاف سے محبت، دین کی اقدار کا شعور، دینی فرائض کا احساس، قائدانہ صلاحیت سے آگاہی اور علم کا شوق بھی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں تعلیم کے علاوہ تحقیقی میدان میں بھی بے پناہ کام ہو رہا ہے ماہانہ بنیادوں پر ایک رسالہ حکمت بالغہ جاری ہوتا ہے جس کی اشاعت اور پڑھنے والوں کی تعداد چند سالوں میں بہت بڑھ گئی ہے اور سنجیدہ طبقہ میں اس کی طلب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس ماہنامہ کی ترتیب، طباعت، اشاعت و اجراء کا کام بھی اس اکیڈمی کی انتظامیہ بحسن وخوبی انجام دے رہی ہے۔

ایک دن کا آنکھوں دیکھا حال: اس سال نارتھ ناظم آباد تنظیم کے دو رفقاء اس اکیڈمی کے تحت یکم جولائی 2009ء سے لے کر 25 جولائی 2009ء کے کورس میں شریک تھے ان سے ملاقات کی خاطر راقم تحریر کو اس عظیم الشان اکیڈمی میں ایک دن گزارنے کا موقع ملا اور اس اکیڈمی میں حاضری کے دوران محترم مختار حسین فاروقی سے شرف ملاقات ملا۔ راقم نے اس اکیڈمی کی تعمیر، تاریخ کی معلومات بھی حاصل کیں۔ یہاں موجود سہولیات سے بھی آگاہی حاصل کی اور ایک دن کی کلاس میں شرکت کر کے یہاں ہونے والی تعلیمی سرگرمیوں سے بھی آگاہی حاصل کی۔ عصر کے بعد راقم کو یہاں پہنچنے کا موقع ملا اس وقت

عربی گرائمر کی کلاس جاری تھی اور استادمحترم عربی گرائمر پڑھا رہے تھے اس کے بعد وقفہ تھا جس کے بعد نماز مغرب تک طلباء کو سیر کی اجازت تھی جس کے لئے موزوں ماحول اکیڈمی کے قرب و جوار کی پرفضا اور آلودگی سے پاک علاقہ موجود ہے۔ مغرب کی نماز اکیڈمی کی مسجد میں ادا کی جہاں اذان کی ذمہ داری روزانہ ایک طالب علم کی ہوتی ہے۔ منتظم اعلیٰ کے حکم پر یہ سعادت راقم کو حاصل ہوئی۔ نماز کے بعد درسِ حدیث بھی طلباء ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے جس میں مختصر طور پر ایک حدیث کا مطالعہ کرایا گیا۔ اس کے بعد کھانے کا وقفہ ہوتا ہے جس کے بعد عشاء کی نماز تک طلباء کو مختلف موضوعات دے کر خطابات کرائے جاتے ہیں، عشاء کے بعد تعلیم کا سلسلہ نہیں ہوتا تا کہ طلباء رات میں نوافل کے لئے بہ سہولت اُٹھ سکیں۔

انتظامیہ کی پیشگی اجازت کے ساتھ مورخہ 9 جولائی 2009ء کے روز ہونے والی کلاس میں شرکت کے دوران میں نے مدرسین کے لیکچرز سے استفادہ کیا۔ سب سے پہلے مطالعہ قرآن کی کلاس تھی جس کا مضمون تاریخ بنی اسرائیل تھا۔ استادمحترم نے قرآن کی روشنی میں طلباء کو تاریخ بنی اسرائیل سے آگاہی دی۔ اگلی کلاس حدیث کی تھی جس میں شرکاء سے باری باری حدیث پڑھوائی گئی۔ آج کی حدیث سفر تبوک کی وہ مشہور حدیث تھی جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے ایمانیات، عبادات اور توحید کا سبق دیا اور جہاد کے بارے بہت بنیادی اہمیت کی حامل تفصیلات بتائی ہیں۔ اس اقامتی کورس کے درمیان ترغیب دی جاتی ہے کہ ہر طالب علم پچیس روز میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت مکمل کر لے اور مطالعہ ترجمہ کا نصاب بھی طے کر لے۔ اسی طرح اس کورس میں جاری ہونے والی عادت کی بنا پر یہ معمول بقایا زندگی میں جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد کی اگلی کلاس کلامِ اقبال تھی جس میں آج کا موضوع شکوہ تھا اس کلاس میں نہایت عمدہ انداز میں علامہ اقبال کا انداز بیان کو آسان الفاظ میں سمجھایا گیا تھا ساتھ ساتھ ان کے افکارات پر بحث بھی کی گئی۔ آج کے پہلے سیشن کی آخری کلاس تاریخ اسلام کی کلاس تھی جس میں دورِ بنوعباس سے متعلق معلومات سے آگاہی دی گئی اور اس دور کا تقابل موجودہ مسلمانوں کی حالت زار سے بھی کیا گیا۔ اس کے بعد وقفہ برائے طعام، نماز و آرام ہو جاتا ہے۔ تمام طلباء کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی طعام میں شرکت کا موقع ملا۔ اس کے بعد میں نے جمعہ کی نماز اکیڈمی کی مسجد میں ادا کی جہاں پر طلباء کے علاوہ قرب و جوار کے علاقوں سے رہائش پذیر افراد کی اچھی تعداد بھی شریک تھی۔ نماز جمعہ کے بعد میں نے محترم مختار حسین فاروقی صاحب سے اجازت طلب کی اور اس اکیڈمی کی یادوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے عازم سفر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس اکیڈمی کو ترقی عطا فرمائے اور جھنگ میں اس کے ذریعے اسلامی اقدار کو فروغ بخشے۔

تبصرۂ کتب

نام کتاب: **تذکرہ وسوانح امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری** رحمہ اللہ

مؤلف: مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب ضخامت: 316 صفحات قیمت:

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہؓ خالق آباد نوشہرہ

مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نہایت جانفشانی، محنت، لگن اور تسلسل کے ساتھ اکابر علماء دیوبند کا بذریعہ کتب تعارف کروارہے ہیں۔ ماہنامہ القاسم کی خصوصی اشاعتیں اور اس کے علاوہ مستقل تصانیف اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں ان کتابوں میں آپ قابل عمل اور نہایت روشن پہلوؤں کی طرف توجہ دلا کر قاری کو عمل پر اکسانا چاہتے ہیں۔ 'عرضِ مؤلف' کے عنوان سے اپنی تصانیف کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''احقر نے اکابر کی بشری کمزوریوں اور کاتاہیوں کو نظر انداز کر کے ان کے کردار کے درخشاں پہلوؤں کو ان کی سوانحات میں اختصاراً دلچسپ واقعات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے؛ کیونکہ گلدستہ وہی ہوتا ہے جس میں پھول ہوں لوگوں کو کانٹوں کی نہیں پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے''۔

زیر تبصرہ تازہ ترین کتاب' ایشیا کے سحر بیان خطیب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے تذکرہ پر مشتمل ہے، امیر شریعت کی شخصیت اتنی سحر انگیز ہے کہ ان کو ہم سے بچھڑے اڑتالیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے مگر شاہ صاحب کے افکار ونظریات آج بھی زندہ وتروتازہ ہیں۔ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے مولانا ابوذر بخاریؒ، آغا شورش کاشمیری، سید امین گیلانی، غازی خان کابلی اور جانباز مرزا کی زبانی حضرت امیر شریعتؒ کے حالات وافکار، نظریات اور شخصیت کا بھرپور تعارف کرایا ہے اور حسب روایت قابل عمل واقعات کو بھی بیان کیا ہے جو عوام وخواص کے لیے قابل تقلید ہیں، ایک قاری جو شاہ صاحب کے بارے میں جاننا چاہتا ہے اس کتاب میں اس کے لیے زبردست مواد جمع ہے۔ آپ سدا بہار واقعات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب آپ کے لیے بہت مفید ہے۔

آخر میں یہ بہترین کتاب ترتیب دینے اور شائع کرنے پر مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مولانا آئندہ بھی علماء کے تعارف پر مبنی کتابیں شائع کرتے رہیں گے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ (امجد اقبال ساجد)

القاسم اکیڈمی نئی تاریخی اور عظیم پیشکش

تذکرہ وسوانح

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

مؤلف مولانا عبدالقیوم حقانی

خاندانی پس منظر، ولادت، تذکرۂ والدین، تعلیم وتربیت، شخصیت وکردار، عادات واطوار، فقر ودرویشی، مصائب و مشکلات، عفوودرگزر، اوصاف وکمالات، تواضع وانکساری، تقویٰ وخشیت الٰہی، سیاسی زندگی، سیاسی بصیرت، قران سے محبت، انگریز سے نفرت، سراپا علم وعمل، اخلاص وللّٰہیت، زہدواستغناء، اصول پسندی، عشق رسول ﷺ، اتباعِ سنت، مسئلہ ختم نبوت سے والہانہ عقیدت، فرق باطلہ کا تعاقب، دعوت وخطابت، قیدوبند کی صعوبتیں، ذوقِ شعروادب، ظرافت، حاضر جوابیاں، چٹکلے، سفرآخرت، آخری ایام اوران جیسے لاجواب عناوین اور روح پرور مضامین اس پر مستزاد۔

صفحات:316.....ہدیہ صرف : 250روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

Cell : 0346-4010613

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان.....اور.....سرچشمہ یقین

قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی

وسیع پیمانے پر.....اور.....اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور شاید اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ.....اور.....غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وما النصر الامن عنداللہ (القرآن)